سلسلۂ تصوف نمبر (۱۳۷)

اُردو ترجمہ کتاب

مبدء و معاد

از تصنیف لطیف

غوثِ صمدانی قطبِ ربانی حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی

رحمۃ اللہ علیہ

جسے

ملک فضل الدین ملک چنن الدین ملک تاج الدین ککے زئی تاجرانِ کتب قومی

منزل نقشبندیہ

کوچہ ککے زئیاں ——— بازار کشمیری

لاہور نے

بصرفِ زرِ کثیر فیضِ جریانِ دربارِ مجددیہ کی خاطر

بامحاورہ اُردو ترجمہ کرا کر

مشہور عالم اسٹیم پریس لاہور میں باہتمام پنڈت گنگا داس کے طبع کرایا

طبع اوّل ... تعداد ایک (۱۰۰۰) ہزار ... قیمت ۱۲

تصوّف کی سراپا رحمت بینظیر کتابوں کا لاجواب سلسلہ

عربی سے اردو ترجمہ کتاب

بہجۃ الاسرار (یا) معدن الانوار

اس کتاب میں حالات و کرامات حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی سید محی الدین ابو محمد شیخ عبد القادر گیلانی قدس سرہ کے تمام تفصیل وار درج ہیں۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے حضرت غوث صمدانی قطب ربانی کے حالات بہت بڑی تحقیق اور صحت کے ساتھ روایتاً تحریر فرمائے ہیں۔ اور یہ وہی مبارک کتاب ہے جو سب سے پہلے حضرت میراں محی الدین سید شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے حالات میں لکھی گئی۔ لہذا یہ بابرکت کتاب عربی زبان میں تھی جو ہر اردو خواں اعلے کی فہمید سے باہر تھی۔ اس لئے ہم خادمانِ فقرا نے بپاسِ خاطر عاشقانِ دربار قادریہ بصرف زر کثیر بامحاورہ اردو ترجمہ کراکر نہایت خوشخط اعلے کاغذ پر طبع کرائی ہے تاکہ دلدادگانِ کوچۂ قادریہ اس کو پڑھ کر حظِ باطنی سے بہرہ اندوز ہوں قیمت .. (للعہ)

اردو ترجمہ کتاب تحفہ قادریہ

اس رسالہ بابرکت میں حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ لاہوری نے جو عاشق جناب سید عبد القادر جیلانی کے ہیں جناب غوث پاک کے مناقب اور کرامات کو نہایت معتبر روایات سے عجیب دلکش اور پردرد طریق سے قلمبند فرمایا ہے۔ اور تحریر عبارت میں جناب علیہ الرحمۃ نے اپنے سچے عشق اور بیتابی کا نہایت پردرد الفاظ میں ثبوت دیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے انسان پر فوری اثر نمودار ہوتا ہے اس کتاب کے طالبانِ مولا کی خاطر اردو ترجمہ کرایا گیا ہے۔ اور بہت بڑی کوشش سے چھاپا گیا ہے ۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۸/

اردو ترجمہ کتاب ہدیۃ القلوب و تحفۃ الارواح

یہ کتاب بھی تصوّف میں ایک بیش بہا جواہر اور سراپا برکت اور رحمت ہے خدا سے رابطہ و اتحاد پیدا کرنیوالوں کو اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا ذکر اس میں نہ آیا ہو طالبانِ مولیٰ کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے صوفیانِ صفاکیش اس کو حرز جاں بنائیں اور سعادت دارین حاصل کریں۔ کتاب قابل دید ہے ۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲/ع۱

مبدأ و معاد

بدایت و نہایت بمعنی آغاز و انجام میں ہیں اللہ تعالےٰ کی تعریف کرتا ہوں اور اس کے حبیب محمدؐ اور اس کی بزرگ اولاد پر درود کہتا ہوں۔ بعد ازاں ناظرین باتمکین کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ اس رسالہ شریفہ میں امام ہمام۔ حجۃ اللہ علے الانام۔ پیشوائے اقطاب و اوتاد۔ قبلہ ابدال و افراد۔ سبع مثانی (نوعہ خاتمہ) کے کاشف اسرار۔ مجدد الف ثانی۔ روسی۔ رحمانی۔ عارف ربانی شیخ الاسلام والمسلمین ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ احمد فاروقی حنفی نقشبندی رضی اللہ عنہ (خدا کرے آنحضرترضؓ کی ہدایت کے آفتاب افق اعلے پر چمکتے رہیں۔ اور لوگ آنحضرترضؓ کے دقائقہ کے باغوں میں بڑھتے رہیں) کے اشارات لطیفہ و صافی اور اسرار دقیق و بلند مندرج ہیں۔ اللہ تعالےٰ مددگار ہے اور اس پر بھروسہ ہے ؂

منہا۔ جب مجھے راہ سلوک کی ہوس پیدا ہوئی۔ تو اللہ تعالےٰ جل شانہ کی عنایت نے مجھے خانوادہ نقشبندیہ کے ایک خلیفہ کی خدمت میں پہنچایا۔ جن کی توجہ کی برکت سے خواجگان کا جذبہ جو بلحاظ خاصفت قومیت میں جا ملتا ہے۔ حاصل ہوا۔ اور اندراج النہایۃ فی البدایۃ کے طریق سے بھی ایک گھونٹ حاصل ہوا۔ اس جذبہ کے حاصل ہو جانے کے بعد سلوک شروع ہوا۔ اور میرا راہ میں نے اسد اللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانیت کی تربیت سے اس انجام تک طے کی۔ یعنی اس اسم سے جو میرا پرورش کنندہ ہے۔ بعد ازاں اس اسم سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالےٰ سرہٗ کی روحانیت کی مدد سے قابلیت اولےٰ تک جس نے حقیقت محمدیہؐ سے

تعبیر کرتے ہیں۔ ترقی کی۔ وہاں سے اوپر حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روحانیت کی مدد سے عروج حاصل ہوا۔ وہاں سے آگے حضرت خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی مدد سے مقام اقطاب محمدیہ تک ترقی کی۔ یہ مقام قابلیت اولیٰ کے مقام سے اوپر ہے یوں سمجھو کہ یہ مقام قابلیت اولیٰ کا اجمال ہے اور قابلیت اولیٰ اس کی تفصیل ہے۔ اس مقام میں پہنچتے وقت حضرت خواجہ نقشبند کے خلیفہ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم کی روحانیت سے بھی ایک طرح کی مدد مجھے ملی۔ قطب کا انتہائی عروج اسی مقام (اقطاب محمدیہ) تک ہوتا ہے۔ دائرہ ظلیت بھی اسی مقام پر ختم ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں یا تو خالص اصل ہے یا اصل اور ظل ملے ہوئے۔ یہ مقام افراد کے لئے مخصوص ہے۔ ہاں بعض قطب بھی افراد کی ہمنشینی کے سبب مقام ممتزج (جہاں اصل اور سایہ ملے جلے ہیں) تک ترقی کرتے ہیں۔ اور اصل وسایہ ملے ہوئے کو دیکھتے ہیں۔ لیکن محض اصل خالص تک پہنچنا یا اسے دیکھنا حسب درجہ افراد کا خاصہ ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کرے۔ اللہ تعالےٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ اس مقام اقطاب پر پہنچکر جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے مجھے قطبیت ارشاد کی خلعت عنایت ہوئی۔ اور اس منصب سے مجھے سرافراز فرمایا بعد ازاں پھر عنایت الٰہی جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی عنایت میرے شامل حال ہوئی۔ اور اس مقام سے اوپر کی طرف ترقی نصیب ہوئی حتےٰ کہ مجھے عنایت الٰہی نے اصل ممتزج (اصل وسایہ ملا ہوا) تک پہنچایا۔ اور وہاں بھی فنا وبقا نصیب ہوئی۔ جیسا کہ گذشتہ مقامات میں ہوتی آتی تھی۔ وہاں سے آگے مقامات اصل میں ترقی عنایت فرمائی۔ اور اصل الاصل تک پہنچا دیا۔ اس آخری عروج میں جو مقامات اصل کا عروج ہے۔ حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبد القادر قدس اللہ تعالےٰ سرہ الاقدس کی روحانیت کی مدد نصیب ہوئی جس نے اپنی قوت تصرف سے ان مقامات سے عبور کرا کے اصل الاصل میں پہنچا دیا۔ وہاں سے پھر جہان کیطرف لوٹایا۔ چنانچہ لوٹتے وقت ہر مقام سے عبور حاصل ہوا۔

مجھے یہ نسبت فردیت جس سے عروج اخیر مخصوص ہے۔ اپنے والد ماجد (شیخ عبد الاحد بن زین العابدین رح) سے حاصل ہوئی۔ اور انہیں ایک بزرگ (حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہٗ) سے جن کو جذبہ قوی حاصل تھا۔ اور جو خوارق عادات

میں شہرہ آفاق تھے ہاتھ آئی۔ لیکن مجھے شروع میں ضعف بصیرت اور اس نسبت کی قلت ظہور کے باعث اپنے آپ میں اس نسبت فردیہ کا ہونا معلوم نہ ہوتا تھا۔ جب سلوک کی منزلیں طے کیں۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ نسبت شروع ہی میں مجھ میں تھی۔ نیز مجھے عبادات نافلہ کی توفیق خصوصاً نماز نافلہ کا ادا کرنا بھی اپنے والد ماجد سے حاصل ہوا۔ اور انہیں یہ سعادت اپنے شیخ (شیخ عبدالقدوس) سے جو سلسلہ چشتیہ سے منسوب تھے حاصل ہوا۔ جب تک میں مقام اقطاب سے عبور نہ کر چکا مجھے علوم لدنی حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے حاصل ہوتے رہے۔ جب اس مقام سے عبور کر کے مقامات عالیہ میں ترقی کی۔ تو پھر اپنی حقیقت سے علوم اخذ کرنے لگا۔ اس وقت کسی غیر کی مجال نہ تھی۔ کہ بیچ میں دخل دیتا۔ نیز مجھے نزول کے وقت جس سے مراد سیر عن اللہ باللہ ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات میں عبور واقع ہوا۔ اور ہر ایک مقام سے کافی حصہ لیا۔ اور ان مقامات کے مشائخ نے میرے کام میں میری مدد و اعانت کی۔ اور اپنی نسبتوں کے خلاصے بھی مجھے عنایت فرمائے۔ پہلے پہل اکابر چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام میں عبور واقع ہوا۔ اس مقام سے کافی حصہ حاصل ہوا۔ ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کی روحانیت نے دوسروں کی نسبت زیادہ امداد فرمائی۔ واقعی اس مقام میں ان کی شان نہایت اعلیٰ ہے۔ اور آپ اس مقام کے سردار ہیں۔ بعد ازاں اکابر کبرویہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام میں گذر ہوا۔ یہ دونو مقام یعنے چشتیہ و کبرویہ بلحاظ عروج برابر ہیں۔ لیکن یہ مقام (کبرویہ) نزول کے وقت شاہراہ کی دائیں طرف پڑتا ہے۔ اور پہلا (چشتیہ) بائیں طرف۔ یہ شاہراہ وہی ہے۔ جس سے بعض بڑے بڑے اقطاب ارشاد ہو کر مقام فردیت میں جاتے ہیں۔ اور وہاں سے نہایت النہایت میں پہنچتے ہیں۔ صرف افراد کی راہ اور ہے۔ بغیر قطبیت کے اس راہ سے نہیں گذر سکتے۔ یہ مقام (کبرویہ) مقام صفات اور اس شاہراہ کے مابین واقع ہے۔ گویا یہ دونوں مقاموں کا برزخ ہے۔ دونو طرف سے اسے حصہ ملتا ہے۔ پہلا مقام (چشتیہ) شاہراہ کی دوسری طرف واقع ہے جو صفات سے بہت کم مناسبت ہے۔ اس کے بعد مجھے اکابر سہروردیہ کے مقام میں جو شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ سے اس طرف ہیں۔ عبور واقع ہوا۔ یہ مقام سنت نبوی

علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیات کے اتباع کے نور سے آراستہ اور مشاہدہ فوق الفوق کی نورانیت سے مزین ہے۔ توفیق عبادات اس مقام کی رفیق ہے۔ بعض سالک جو ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے اور عبادات نافلہ میں مشغول ہیں۔ اور اس سے مطمئن ہیں۔ انہیں بھی اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے اس مقام سے کچھ حصہ نصیب ہوتا ہے۔ عبادات نافلہ اصالتاً اسی مقام کے مناسب ہیں۔ دوسرے کیا مبتدی اور کیا منتہی سب اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے بہرہ ور ہیں۔ یہ مقام (سہروردیہ) نہایت عجیب و بزرگ ہے۔ جو نورانیت اس مقام میں دیکھنے میں آئی ہے۔ دوسرے مقامات میں بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام کے مشائخ بہ سبب کمالِ اتباع عظیم الشان اور رفیع القدر ہیں اپنے ہمجنسوں میں پورے طور پر ممتاز ہیں۔ جو کچھ ان بزرگوں کو اس مقام میں نصیب ہوا ہے۔ دوسرے مقامات میں گو وہ بلحاظ عروج اوپر ہی ہیں میسر نہیں ہوتا۔ بعد ازاں مجھے مقام جذبہ میں اُتار لائے۔ اس مقام میں بے شمار جذبات کے مقامات شامل ہیں۔ وہاں سے بھی نیچے لائے۔ نزول کا آخری مرتبہ مقام قلب ہے۔ جو حقیقت جامع ہے اور ارشاد و تکمیل اسی مقام پر نزول کرنے کے متعلق ہے جب اس مقام میں لائے۔ تو پیشتر اس کے کہ مجھے اس مقام میں استقرار حاصل ہو۔ پھر عروج نصیب ہوا۔ اس وقت اصل کو سائے کی طرح پیچھے چھوڑا۔ اس عروج سے جو مقامات قلب ہیں بعد استقرار حاصل ہوا۔

منہا۔ قطب ارشاد جس میں فردیت کے کمالات بھی پائے جاتے ہیں۔ نہایت قلیل الوجود ہوتا ہے۔ کئی صدیوں بلکہ بے شمار زمانہ کے بعد اس قسم کا موتی ظاہر ہوتا ہے جس کے نور ظہور سے تاریک دنیا روشن ہو جاتی ہے۔ اس کی ہدایت و ارشاد محیط عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام جہان کو حاصل ہوتا ہے۔ جس شخص کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کی وساطت سے ہوتے ہیں۔ اس کے وسیلے بغیر براہ راست کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی گویا اس کا نور ہدایت سمندر کی طرح تمام جہان کو گھیرے ہوتا ہے۔ اور وہ ایک منجمد سمندر ہے جو بالکل حرکت نہیں کرتا۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اس کا مخلص ہوتا ہے یا وہ بزرگ کسی طالب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو توجہ کیوقت

طالب کے دل میں گویا ایک سوراخ کھل جاتا ہے۔ جس کی راہ اس دریا سے توجہ اور اخلاص کے موافق سیر آب ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص ذکر الٰہی میں مشغول ہے لیکن اس بزرگ (قطب ارشاد) کی طرف متوجہ نہیں مگر انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ اس واسطے کہ وہ اسے جانتا نہیں۔ تو بھی اسے اسی قسم کا فائدہ پہنچتا ہے مگر پہلی صورت میں بہ نسبت دوسرے کے زیادہ فایدہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص قطب ارشاد کا منکر ہے۔ یا وہ بزرگ اس سے ناراض ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی ذکر الٰہی میں مشغول رہے پھر بھی رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہتا ہے۔ وہی اسی کا انکار اس کے فیض کا سد راہ ہوتا ہے۔ خواہ قطب ارشاد اسے فائدہ نہ پہنچانے کے لئے یا نقصان پہنچانے توجہ نہ ہی کرے۔ ایسے شخص کو ہدایت کی حقیقت میسر نہیں ہو سکتی۔ گو اُسے رُشد کی صورت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن محض صورت سے کیا کام نکل سکتا ہے۔ صورت بے معنی سے بہت تھوڑا فایدہ حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ قطب ارشاد کے محب و مخلص ہوتے ہیں۔ گو وہ ذکر الٰہی اور توجہ مذکور سے خالی ہی ہوں۔ تو بھی محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور پہنچتا ہے والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ⁂

منہا۔ پہلے پہل جو دروازہ میرے لئے کھولا گیا۔ وہ یافت کا ذوق تھا۔ نہ کہ یافت بعد ازاں دوسرے درجے پر یافت نصیب ہوئی۔ تو ذوق یافت مفقود ہو گیا تیسرے درجے پر یافت بھی ذوق یافت کی طرح مفقود ہو گئی۔ دوسری حالت حالت کمال اور ولایت خاصہ کے درجے کا حاصل کرنا ہے۔ تیسرا مقام مقام تکمیل اور دعوت کے لئے خلقت کی طرف لوٹنا ہے۔ پہلی حالت صرف بلحاظ جذبہ کمال ہے۔ جب اس کے سلوک کو پورے طور پر حاصل کر لیا جاتا ہے۔ تو دوسری حالت حاصل ہوتی ہے۔ بعد ازاں تیسری حالت۔ لیکن مجذوب کو سلوک سے یہ دوسری اور تیسری حالت بالکل نصیب نہیں ہوئی۔ جو کامل و مکمل ہے وہ مجذوب سالک ہے۔ اس سے دوسرے درجے پر سالک مجذوب۔ جو ان دونو کے بغیر ہے وہ نہ کامل ہے۔ نہ مکمل۔ تم نے کم ہمت نہ بننا۔ والسلام علیٰ خیر البشر سیدنا محمد و آلہ الاطہر

منہا۔ ماہ ربیع الآخر کے آخری حصے میں اس بزرگ خانوادہ کے ایک بزرگ خلیفہ

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان بزرگوں کا طریقہ اخذ کیا۔ اسی سال ماہ رجب کے نصف کے قریب حضور نقشبندیہ کی سعادت جو اس مقام میں اندراج نہایت در بدایت ہے حاصل ہوئی۔ ان بزرگ نے فرمایا۔ کہ نسبت نقشبندیہ سے مراد یہی حضور ہے پورے دس سال کچھ مہینے اوپر ماہ ذالقعدہ کے نصف میں وہ نہایت جو بدایت میں بدایات وا وساط کے اتنے پردوں پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی۔ نقاب آثار نمودار ہوئی۔ اس وقت یقین ہو گیا۔ کہ بدایت میں اس اسم کی صورت تھی۔ اس جسم کا ڈھانچ تھا اور اس مسمے کا اسم تھا۔ ان دونو میں بڑا بھاری فرق ہے۔ کام کی حقیقت یہاں آکر کھلی اور معاملہ کا بھید اس جگہ ظاہر ہوا۔ جس نے چکھا نہیں اسے معلوم نہیں ہوا۔ والصلوٰۃ والسلام علی سید الانام وآلہ الکرام واصحابہ العظام ؛

منہا۔ واما بنعمۃ ربك فحدث۔ اپنے پروردگار کی نعمت کا ذکر کر، میں ایک روز اپنے یاروں کے حلقے میں بیٹھا تھا۔ اور اپنی خرابیوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ دید یہاں تک غالب آئی۔ کہ میں نے اپنے آپ کو اس وضع کے بالکل مناسب نہ پایا۔ اسی اثنا میں "من تواضع لِلہ رفعہ اللہ" "جس نے اللہ تعالےٰ کی خاطر تواضع کی اللہ تعالےٰ نے اس کا درجہ بلند کر دیا" کے موافق اس دور پڑے ہوئے کو رسوائی کی خاک سے اٹھا کر یہ آواز سر میں دی غفرت لك ولمن توسل بك الی بواسطۃ اوبغیر واسطۃ الی یوم القیمۃ، میں نے تجھے اور اس شخص کو بھی جو تجھے میری بارگاہ کا وسیلہ بالواسطہ یا بلا واسطہ بنائے گا بخشا اور یہ سلسلہ قیامت تک یوں ہی رہیگا اور از راہ بندہ نوازی بار بار مجھے یہ فرمایا حتےٰ کہ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی اس بات کے لئے اللہ تعالےٰ کا بہت بہت شکر ہے۔ اللہ تعالےٰ اس میں برکت دے والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد والہ کما یحریٰ ؛

بعد ازاں اس واقعہ کے ظاہر کرنے کا مجھے حکم ہوا ؎

اگر بادشاہ بر در پیرہ زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

بے شک تیرے پروردگار کی مغفرت بہت وسیع ہے۔

منہا۔ سیر الی اللہ، سے مراد کسی ایک اسم الٰہی تک کی سیر ہے جو سالک کا مبداء تعین ہے۔ اور سیر فی اللہ، سے مراد اس اسم میں یہاں تک سیر کرنا ہے۔ کہ اسمٰ

وصفات اور شیون واعتبارات کے لحاظ سے مجرد ذات احدیث کی بارگاہ میں پہنچ جائے یہ تقریر اس وقت درست معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ اسم مبارک اللہ سے مراد مرتبہ وجوب لیا جائے۔ جو اسماو صفات کا جامع ہے۔ لیکن اگر اس اسم مبارک سے مراد ذات محض لی جائے تو پھر سیر فی اللہ بھی سیر الی اللہ میں داخل ہوتی ہے۔ اور اس طرح سیر فی اللہ بالکل حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ آخری سے آخری نقطہ میں سیر کرنا وہم وخیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اس نقطے پر پہنچ کر بلاتوقف جہاں کی طرف لوٹنا ہوتا ہے جسے سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں۔ یہ شناخت آخری سے آخری نقطہ تک کے واصلوں کے لئے مخصوص ہے۔ میرے سوا کسی ولی اللہ نے اس شناخت کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے۔ اپنی طرف چن لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے سو والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ اجمعین۔

منہا۔ امانت ولایت کی سیر میں اولیاء کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض میں صرف ایک درجۂ ولایت کی استعداد ہوتی ہے۔ بعض میں دو کی۔ بعض میں تین کی اور بعض میں چار کی۔ خال خال ایسے ہوتے ہیں۔ جو ولایت کے پانچویں درجے کو حاصل کرتے ہیں۔ ان پانچ درجوں میں سے پہلا درجہ تجلی افعال سے وابستہ ہے۔ دوسرا تجلی صفات سے اور باقی کے تین حسب مرتبہ تجلیات ذاتی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ میرے اکثر یار تیسرے درجہ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور ان میں تھوڑے ایسے ہیں۔ جو چوتھے درجے کے قابل ہیں۔ اور خال خال ایسے بھی ہیں۔ جو ولایت کے آخری یعنے پانچویں درجے سے مناسبت رکھتے ہیں۔ لیکن جس کمال کو میں معتبر سمجھتا ہوں۔ وہ ان پانچوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد اس کمال کا ظہور نہیں ہوا جو جذبہ وسلوک کے کمال سے بڑھ کر ہے۔ انشاء اللہ یہ کمال آخری زمانے میں حضرت مہدیؑ موعود میں ظاہر ہوگا۔ والصلوٰۃ والسلام علی خیر البریہ۔

منہا۔ نہایت النہایت (آخری سے آخری مقام) کے واصل رجوع قہقری (الٹے پاؤں واپس آتے) کے وقت نچلے سے نچلے مقام میں اتر آتے ہیں۔ یہی نچلے سے نچلے مقام میں اتر آنا ہی اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ کہ وہ اعلےٰ سے اعلےٰ اور

آخری سے آخری مقام تک ترقی کر چکے ہیں۔ جب نزول اس خصوصیت سے وقوع میں آتا ہے۔ تو صاحب رجوع ہمہ تن عالم اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس کا کچھ حصہ بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہو۔ اور کچھ خلقت کی طرف۔ کیونکہ ایسی حالت اس بات کو ظاہر کرتی ہے۔ کہ وہ آخری سے آخری مقام تک نہیں پہنچا نیز اسے نچلے سے نچلے مقام تک نزول بھی حاصل نہیں ہوا۔ اب میں اصل بات کو بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ نماز پڑھتے وقت جو کہ مومن کے لئے معراج ہے صاحب رجوع کے تمام لطائف بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور نماز سے فارغ ہو کر بالکل خلقت کی طرف۔ لیکن فرائض وسنن ادا کرتے وقت چھ لطیفے بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور نفل ادا کرتے وقت صرف عمدہ سے عمدہ لطیفے۔ ممکن ہے۔ کہ حدیث "لی مع اللہ وقت" کا اشارہ اس خاص وقت کی طرف ہو۔ جو نماز سے مخصوص ہے۔ اور اس اشارت کا قرینہ تعین حدیث قرۃ عینی فی الصلوٰۃ "مجھے نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے" اس قرینے کے علاوہ کشف صحیح اور الہام صریح بھی اس بارے میں مجھے ہوا ہے۔ یہ جو معارف مجھ سے ہی مخصوص ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ دوسرے مشائخ نے اس کمال کو جمع بین التوجہین ہی جانا ہے۔ میں اپنا کام اور معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس شخص کو سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اور جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری اور تابعداری کی +

منہا۔ مشائخ نے فرمایا ہے۔ کہ اہل اللہ مرتبہ ولایت پر پہنچ کر اپنے اندر ہی مشاہدہ کرتے ہیں۔ بیرونی مشاہدہ جو سیر الی اللہ کے وقت اثنائے راہ میں حاصل ہوتا ہے۔ معتبر نہیں جو کچھ مجھ پر منکشف ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مشاہدہ اندرونی بھی مشاہدہ بیرونی کی طرح قابل اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ وہ مشاہدہ دراصل حقیقت حق سبحانہ تعالےٰ کا مشاہدہ نہیں کیونکہ جب حق تعالےٰ بیچون و بیچگون ہے۔ پھر چوں کے آئینہ میں کیونکر سما سکتا ہے۔ خواہ وہ آئینہ اندرونی ہو یا بیرونی۔ اللہ تعالےٰ نہ جہان کے اندر ہے اور نہ اس سے باہر ہی ہے۔ نہ جہان سے ملا ہوا اور نہ ہی الگ ہے۔ اسی واسطے جو بقائے حق آخرت میں حاصل ہوتا ہے۔ اسے بھی بلاکیف ہی لکھا ہے۔ جو عقل و وہم کے احاطہ سے باہر ہے دنیا میں بھی یہ بھید خواص الخواص پر منکشف کیا ہے

اگرچہ اسے رویت تو نہیں کہہ سکتے لیکن پھر بھی رویت ہی کی طرح ہے۔ یہ دولت عظمےٰ ایسی ہے۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد بہت کم اشخاص کو نصیب ہوئی ہے۔ گو یہ بات آج کل بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اور اکثر لوگ اسے یقین نہیں کرتے۔ لیکن میں اس نعمت عظمےٰ کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خواہ کوتہ اندیش لوگ اسے مانیں یا نہ مانیں۔ یہ نسبت اس خصوصیت سے انشاء اللہ آخری زمانے میں حضرت مہدیٔ موعود میں ظاہر ہوگی۔ اس شخص پر سلامتی ہو۔ جس نے ہدایت کی پیروی اور جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم کی فرمانبرداری کی۔ اور آنحضرتؐ کی متابعت کو لازم جانا۔

منہا۔ جب کوئی طالب کسی شیخ کی خدمت میں حاضر ہو۔ تو شیخ پہلے اس سے تین سے لے کر سات تک استخارہ کرائے۔ اگر استخاروں کے بعد طالب میں کسی قسم کا تذبذب پیدا نہ ہو۔ تو اس کے کام کو شروع کرے۔ سب سے پہلے اسے توبہ کا طریقہ سکھلائے۔ اور دو رکعت نماز توبہ پڑھنے کے لئے کہے۔ کیونکہ توبہ کئے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا مفید نہیں پڑتا۔ لیکن توبہ کے حصول میں مجمل پر ہی اکتفا کرے۔ یہ نہ کرے۔ کہ طالب اسی وقت ہی توبہ نصوحی کرے۔ بلکہ یہ کرے۔ کہ طالب آہستہ آہستہ تمام بری باتوں سے توبہ کر سکے گا۔ کیونکہ آج کل ہمتیں بالکل پست ہو گئی ہیں۔ اگر پہلے ہی مفصل توبہ کی تکلیف دی جائے۔ تو اس کے لئے عرصہ درکار ہے۔ ممکن ہے۔ اس عرصہ میں طالب اس کام سے ہمت ہار جائے۔ بلکہ توبہ ہی کو سرانجام نہ کر سکے۔ جب توبہ مجملاً ہو چکے۔ تو پھر طالب کی استعداد کے موافق خاص طریقہ کی تعلیم کرے۔ اور جو ذکر اس کی قابلیت کے مناسب ہو تلقین کرے۔ اور اس کے کام میں اپنی توجہ صرف کرے۔ اور اسکے حال کو مدنظر رکھے۔ اور راستے کے آداب و قواعد اور شرائط اسے بتادے۔ کتاب وسنت اور آثار سلف صالحین کی متابعت کی ترغیب دلائے۔ اور اس کے ذہن نشین کردے۔ کہ اس متابعت بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوتا۔ اور اسے جتلادے کہ جو کشف وخواب کتاب وسنت سے بال بھر بھی اختلاف رکھتا ہو۔ وہ قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ اس سے استغفار کرنی چاہئیے۔ اور اس بات کی نصیحت کرے۔ کہ عقاید کو فرقہ ناجیہ یعنے اہل سنت وجماعت کی رائے کے موافق صحیح کرے۔ اور اس بات کی تاکید کرے۔ کہ وہ فقہ

کے ضروری احکام سیکھ کر ان پر عمل کرے۔ کیونکہ اس راہ میں بغیر ان دو بازوؤں یعنے اعتقاد اور عمل کے اُڑنا محال ہے۔ نیز اس بات کی سخت تاکید کرے۔ کہ مشتبہ اور حرام لقمہ میں نہایت احتیاط سے کام لے۔ جو کچھ یا جہاں سے مل جائے نہ کھائے۔ تاوقتیکہ اس کا کھانا شرعاً جائز نہ ہو۔ مختصر یہ کہ تمام کاموں میں اس آیت کریمہ کو ملحوظ و مدنظر رکھے قولہ تعالےٰ ما آتکم الرسول فخذ وہ وما نھکم عنہ فانتھو جو کچھ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کرنے کے لئے فرمایا۔ اُسے کرو۔ اور جس سے منع فرمایا ہے۔ اس سے باز آجاؤ۔ طالب دو حالتوں سے خالی نہیں یا اہل کشف و معرفت ہیں یا صاحب جہل و حیرت۔ لیکن جب پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ اور منزلیں طے ہو جاتی ہیں۔ تو اس وقت دونو برابر ہوتے ہیں۔ یعنے پہنچ جانے میں یکساں ہوتے ہیں۔ مثلاً دو شخص دور دراز کی منزلیں طے کر کے جب کعبے پہنچ جائیں۔ ایک راہ میں ہر منزل پر نظارے دیکھتا آئے اور دوسرا آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر آئے۔ تو دونوں شخص کعبہ پہنچنے میں برابر ہیں۔ کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں۔ گو راہ کے نظاروں کے لحاظ سے ان میں فرق ہے مطلوب کے پاس پہنچ جانے کے بعد دونوں کے لئے جہل لازم ہے۔ کیونکہ ذات الٰہی کی معرفت یہی ہے۔ کہ اس کی معرفت سے جہل و عجز کیا جائے۔

واضح رہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے سے مراد دس مقامات کا طے کرنا ہے۔ اور ان دس مقامات کا طے کرنا ان تین قسم کی تجلیات سے وابستہ ہے یعنی تجلیٔ افعال تجلیٔ صفات اور تجلیٔ ذات ان مقامات سے سوائے مقام رضا کے سب تجلی افعال اور تجلی صفات کے متعلق ہیں۔ مقام رضا تجلی ذات سے وابستہ ہے۔ نیز محبت ذاتیہ کے متعلق ہے۔ جس میں محب کی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ محبوب کی طرف سے خواہ اسے تکلیف ہو یا آرام دونو کو برابر سمجھے۔ جب ایسی حالت ہو جاتی ہے۔ تو فی الواقع رضا حاصل ہوتی ہے اور کراہت اُٹھ جاتی ہے۔ اسی طرح باقی مقامات پر بدرجہ کمال پہنچنا بھی تجلی ذات کے وقت نصیب ہوتا ہے۔ جس سے فنائے اتم وابستہ ہے۔ لیکن نو مقامات کے نفس کا حصول تجلی افعال اور تجلی صفات میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب دیکھتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ مجھ پر اور تمام اشیاء پر قادر ہے۔ تو بے اختیار توبہ کرتا ہے۔ ڈرتا ہے۔ اور تقوےٰ کو اپنی عادت بنا لیتا ہے۔ اس کی تقدیروں پر صبر کرنے لگتا ہے مطلق

و بے صبری چھوڑ دیتا ہے۔ اور کسی نعمت کا دینا یا روکنا اسی سے یقین کرتا ہے۔ جب جانتا ہے۔ کہ نعمتوں کا مولا وہی ہے۔ اور چاہے دے چاہے نہ دے۔ تو ناچار شکر گذار بنتا ہے۔ اور توکل میں راسخ قدم ہو جاتا ہے۔ جب مہربانی اور نرمی متجلی ہوتی ہے۔ تو مقام رجا میں آتا ہے۔ جب اُس کی عظمت اور کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور دنیائے دین اس کی نگاہوں میں خوار و بے اعتبار دکھائی دینے لگتی ہے۔ تو مجبوراً دنیا سے دل ہٹا لیتا ہے۔ فقر اختیار کرتا ہے۔ اور زہد کو اپنا طریقہ بنا لیتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ مقامات مفصل و ترتیب وار صرف سالک مجذوب کو حاصل ہوتے ہیں۔ مجذوب سالک ان مقامات کو مجمل طور پر طے کرتا ہے۔ کیونکہ عنایت نرمی نے اُسے ایسی محبت میں گرفتار کیا ہے کہ وہ باتفصیل ان مقامات میں مشغول نہیں ہو سکتا۔ اسی محبت کے ضمن میں اُسے ان مقامات کا وہ لب لباب اور ان منازل کا وہ خلاصہ پورا پورا حاصل ہو جاتا ہے۔ جو صاحب تفصیل کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدیٰ

منہا۔ طالب کو چاہیئے۔ کہ اندرونی و بیرونی باطل معبودوں کی نفی کی کوشش کرے۔ اور معبود حقیقی کے اثبات کیلئے جو کچھ اس کے وہم و خیال میں آئے اسے بھی برطرف کرے صرف اُس کی موجودیت پر اکتفا کرے اگرچہ اس مکان میں وجود کی بھی گنجائش نہیں اسے وجود کے علاوہ تلاش کرنا چاہیئے علمائے اہل سنت نے کیا خوب کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود اسکی ذات اقدس پر زائد ہے وجود کو ہمیں ذات کہنا اور وجود کے سوائے کسی اور بات کا ثابت نہ کرنا نظر کی کوتاہی کی وجہ سے ہے شیخ علاو الدولہ فرماتے ہیں کہ عالم وجود کے اوپر ملک ودود کا عالم ہے مجھے (حضرت مجدد الف ثانیؒ) عالم وجود سے اوپر گذارا۔ تو کچھ عرصہ میں مغلوب الحال رہا اپنے آپ کو علم تقلیدی کی رُو سے اپنے آپ کو مسلم خیال کرتا رہا۔ مختصر یہ کہ جو کچھ ممکن کے حوصلہ میں آتا ہے۔ وہ بدرجہ ادنےٰ ممکن ہوتا ہے وہ ذات پاک ہے جس نے اپنی طرف خلقت کی راہ سوائے اُسکی اور کوئی نہیں بنائی کہ اس کی معرفت سے عاجزی ظاہر کی جائے اس سے یہ خیال نہ کرنا کہ اس فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے ممکن واجب ہو جاتا ہے کیونکہ ایک تو ایسا ہونا محال ہے اور دوسرے اس سے قلب حقائق لازم آتا ہے۔ پس جب ممکن واجب نہیں ہو سکتا۔ تو ممکن کو واجب تعالیٰ کے اور وں کے سوائے عجز کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چین کا ینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

بلند ہمت اشخاص اس طرح مطلب کو چاہتے ہیں کہ اس سے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا اور اسکا

نام ونشان تک پیدا نہیں ہوتا بعض ایسے ہیں کہ کسی خاص مطلب کے والے ہوتے ہیں۔ تو اسی کو اپنا عین پاکر اس سے قرب ومعیت پیدا کرتے ہیں مصرعہ۔ آں ایشانند من چنینم یارب۔ والسلام۔

منہا حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالےٰ سرہ الاقدس فرماتے ہیں کہ ہر ایک شیخ کے آیئنے کے دو رخ ہوتے ہیں لیکن میرے آیئنے کے چھ رُخ ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ آج تک اس بزرگ خانوادہ کے کسی خلیفہ نے اس کلمہ قدسیہ کی شرح بیان نہیں کی بلکہ اشارتاً اور کنایتاً بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ مجھ حقیر وقلیل البضاعتہ کی کیا حیثیت کہ اس کی شرح کی جرأت کر سکے۔ اور اس کی کشف کے لئے زبان کھولے لیکن چونکہ حقتعالےٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اس مُعمّا کا بھید مجھ پر مُنکشف فرمایا ہے۔ اور کما حقہ اس کی حقیقت مجھ پر ظاہر فرمائی ہے۔ اسواسطے اس پوشیدہ بھید کو بیان کی انگلیوں سے رشتہ تحریر میں پروتا ہوں۔ اور زبان ترجمان سے بھی تقریر میں لاتا ہوں۔ استخارہ کے بعد اللہ سے اور اللہ تعالےٰ سے غلطی سے بچنے اور توفیق کی دعا کر کے شروع کرتا ہوں۔ واضح رہے۔ کہ آئینہ سے مراد عارف کا دل ہے۔ جو روح اور نفس کے مابین برزخ (وسیلہ) ہے۔ آیئنے کے دو نو رخوں سے مراد ایک رخ روح کا اور دوسرا رُخ نفس کا لیا ہے جسوقت مشائخ مقام قلب پر پہنچتے ہیں تو ان دو نو رخوں سے وہ علوم ومعارف جو قلب کے مناسب ہوتے ہیں منکشف ہونے لگتے ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ العزیز کے طریقہ میں بدایت ہی میں نہایت مندرج ہے۔ اس طریقہ میں آئینہ کے چھ رُخ ہو جاتے ہیں اس کی مُفصل حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ علیہ کے بزرگوں پر منکشف ہو رہے کہ جو کچھ تمام افراد انسانی میں ثابت ہے وہ چھ لطیفوں سے اکیلے دل میں متحقق ہے۔ ان چھ طرفوں سے مراد نفس۔ قلب۔ روح۔ سر خفی۔ اخفیٰ لیئے ہیں باقی تمام مشائخ کی سیر قلب کے ظاہر تک محدود ہے۔ لیکن نقشبندیہ بزرگوں کی سیر قلب کے باطن تک بلکہ اس سیر کے ذریعے اسکے اندرونی سے اندرونی نقطے تک ہے اور انہیں ان چھ لطیفوں کے علوم ومعارف مقام قلب میں منکشف ہوتے ہیں۔ لیکن وہ علوم منکشف ہوتے ہیں۔ جو مقام قلب کے مناسب ہیں۔ یہ ہے۔ حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ الاقدس کے کلمہ قدسیہ کا بیان۔ مجھ حقیر کو ان بزرگوں کی برکت سے اور زیادہ تحقیق وتدقیق معلوم ہوئی۔ سو میں اس تحقیق وتدقیق میں سے کچھ اشارتاً اس آیۃ کریمہ کے بموجب "واما بنعمۃ ربک فحدث" بیان

کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ قلب قلب میں بھی قلب کی طرح لطائف پائے جاتے ہیں لیکن قلب قلب میں یا دائرہ کی تنگی یا کسی اور بھید کی وجہ سے مذکورہ بالا چھ لطیفوں میں سے دو لطیفے بطریق جزو یعنی لطیفہ نفس اور لطیفہ اخفی ظاہر نہیں ہوتے اور یہی حالت اس دل کی ہے جو تیسرے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہی حالت اس دل کی ہے جو چوتھے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں صرف قلب و روح کا ظہور ہوتا ہے۔ سر کا نہیں ہوتا۔ پانچویں مرتبے میں لطیفہ روح کا بھی ظہور نہیں ہوتا۔ صرف قلب ہی قلب رہ جاتا ہے جو بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہے اس موقعہ پر بعض معارف عالیہ کا معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے ذریعے واضح ہو جاوے کہ نہایت النہایت اور غایت الغایت سے کیا مراد ہے میں ان معارف کو بتوفیق الٰہی بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ جو کچھ عالم کبیر میں مفصل طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ عالم صغیر میں مجمل طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ عالم صغیر سے میری مراد انسان ہے پس جب عالم صغیر کو صیقل کر کے منور کر لیا جاتا ہے۔ تو اس میں آئینے کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں کیونکہ صیقل و منور کرنے سے اس کا احاطہ وسیع ہو جاتا ہے اسوقت صغیر کا لفظ اس پر عاید نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جس کو عالم صغیر سے وہی نسبت ہے۔ جو عالم صغیر کو عالم کبیر سے ہے جب دل کو صیقل کیا جاتا ہے اور اس سے تاریکی دور ہو جاتی ہے تو اس میں بطریق آئینہ عالم صغیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اور یہی نسبت قلب القلب اور قلب میں ہوتی ہے جو قلب اور عالم صغیر میں ہوتی ہے جب قلب القلب کا تصفیہ کر لیا جاتا ہے۔ تو اس میں تمام چیزیں مفصل طور پر دکھائی دینے لگتی ہیں علیٰ ہذا القیاس دل تیسرے اور چوتھے اور پانچویں مرتبے میں بہ سبب صقالت و نورانیت سابقہ مراتب کی تمام چیزوں کو مفصلاً دکھلانے لگتا ہے اسی طرح جو دل پانچویں مرتبے میں بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے جب اسے پورے طور پر صیقل کیا جاتا ہے تو اس میں عالم کبیر صغیر اور صغر اور بعد کے باقی تمام عوالم کی چیزیں مفصلاً دکھلائی دینے لگتی ہیں، سو وہ تنگ لیکن سب سے فراخ اور بسیط سے بسیط نہایت چھوٹا لیکن سب سے بڑا ہے اس وصف کی کوئی اور چیز اللہ تعالےٰ نے پیدا نہیں کی اس لطیفہ بدیعہ سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مناسبت نہیں رکھتی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ میرے آسمان اور میری زمین میں میری گنجائش نہیں بر صرف

اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔
عالم کبیر اگرچہ بلحاظ ظہور نہایت وسیع ہے اور اس کی کثرت تفصیل کی وجہ سے اُسے اس چیز کے ساتھ جس میں کثرت وتفصیل بالکل نہ ہو کوئی مناسبت نہیں۔ وہ تنگ لیکن بہت وسیع ہے اور بسیط الابسط ہے بہت ہی تھوڑا ہے لیکن ساتھ ہی بہت ہی کثیر بھی ہے جب وہ عارف جو بلحاظ معرفت مکمل اور از روئے شہود اکمل ہو اس مقام پر پہنچتا ہے جو عزیز الوجود اور شریف رتبہ ہے تو وہ عارف تمام جہاں اور اس کے ظہورات کے لئے بمنزلہ دل ہو جاتا ہے تب اُسے ولایت محمدیہ حاصل ہوتی ہے۔ اور دعوت مصطفویہ سے مشرف ہوتا ہے قطب۔ اوتار اور ابدال سبھی اس کی ولایت کے دائرہ کی تحت میں داخل ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اولیا اللہ مثلاً افراد و احاد بھی اس کے انوار ہدایت کی تحت میں مندرج ہیں کیونکہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ سلم کا نائب مناب اور حبیب الہی کی ہدایت سے ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ یہ عزیز الوجود اور شریف نسبت مرادوں میں سے کسی ایک سے مخصوص ہوتی ہے مریدین کو یہ کمال نصیب نہیں ہوتا یہ بڑی نہایت اور آخری غایت ہے اسکے اوپر کوئی کمال نہیں اور اس سے عمدہ کوئی بخشش نہیں خواہ اس قسم کا عارف ہزار سال بعد پایا جائے تو بھی غنیمت ہے۔ اس کی برکت مدت مدید اور عرصہ بعید تک جاری رہتی ہے ایسے عارف کا کلام بمنزلہ دوا اور اس کی نظر بمنزلہ شفا ہوتی ہے اس آخری امت میں سے انشاء اللہ حضرت مہدئے موعود اس نسبت شریفہ پر پائے جائیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالےٰ صاحب فضل عظیم ہے یہ دولت عظمےٰ سلوک و جذبہ کے دونو رستے بالترتیب وبالتفصیل طے کرنے سے وابستہ ہے نیز فنائے اتم اور بقائے اکمل کو ایک ایک درجہ کرکے حاصل کرنے پر منحصر ہے سو یہ باتیں جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی تابعداری بغیر نصیب نہیں ہو سکتیں اللہ تعالےٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں آں حضرت صلعم کی فرمانبرداری و پیروی عنایت فرمائی ہم اللہ تعالےٰ سے آں حضرتؐ کی متابعت کا کمال اُسپر ثابت قدم رہنا اور آں حضرتؐ کی شریعت کی استقامت مانگتے ہیں۔ آمین کہنے والے بندے پر اللہ تعالےٰ رحم کرے یہ معارف پوشیدہ اسرار اور مخفی رموز سے ہیں بڑے اولیاؤں میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور بڑے بڑے اصفیاء میں سے کسی نے بھی ان کی طرف اشارہ نہیں کیا اللہ تعالےٰ نے یہ اسرار اپنے اس بندے کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ان اسرار سے مطلع فرما کر اُنکے ظاہر کر دینے کا حکم فرمایا۔ کسی نے

کیا اچھا کہا ہے ؎

اگر بادشاہ بر درِ پیرہ زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی شے یا سبب پر منحصر نہیں۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِہِ الصّٰلِحِیْنَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

منہا۔ روح بھی چونکہ عالم بیچونی سے ہے اس واسطے اسکے لئے بھی لامکان ہونا متحقق ہے لیکن اس کی بیچونی بمقابلہ وجوب ذات حق عین چوں ہے اور اسکا لامکان ہونا حقیقی لامکان کی لامکانیت کے سامنے عین مکانیت ہے گویا عالم ارواح اس عالم اور مرتبہ بیچونی کے مابین برزخ ہے چونکہ روح میں دونو رنگ پائے جاتے ہیں اس واسطے عالم بیچوں اسے بے چوں جانتے ہیں لیکن اصلی بیچوں کے مقابلہ میں عین چون ہے یہ برزخ ہونے کی نسبت اسے اس کی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے لیکن جب اس روح کا تعلق اس کا ایک ہیکل اور قفس عنصری سے ہو جاتا ہے تو عام برزخیت سے نکل بالتمام عالم چوں میں اتر آتا ہے اس واسطے بیچونی کا رنگ اس سے جاتا ہے اس کی مثال ہاروت و ماروت کی سی ہے جیساکہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ارواح ملائکہ بعض خاص مصلحت کے لئے بشریت کی پستی میں اترے ہیں پس اگر عنایت الٰہی مدد کرے اور اس سفر سے لوٹ کر اپنی اصلی جگہ جاتے جو در حقیقت تنزل سے عروج ہے تو تاریک نفس اور بدن عنصری بھی اس کی متابعت سے ضرور عروج حاصل کریں گے اور منزلیں طے کریں گے اس ضمن میں وہ مقصود بھی ظاہر ہو جائے گا جو روح کے تعلق اور اس کے نزول سے مطلوب تھا۔ نفس امارہ نفس مطمئنہ بنجائے گا اور ظلمانی نورانی سے بدل جائے گا جب روح اس سفر کو ختم کر لیتا ہے اور نزول کے مقصود کو انجام تک پہنچا لیتا ہے تو اصلی برزخیت پر پہنچتا ہے اور نہایت بدایت کی طرف لوٹتے وقت حاصل کرتا ہے چونکہ قلب بھی عالم ارواح سے ہے اس واسطے اسے یہ بھی برزخیت میں وطن نصیب ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ بھی جو عالم امر کا رنگ رکھتا ہے کیونکہ وہ قلب و بدن کے مابین برزخ ہے اس جگہ اقامت کرتا ہے اور

بدن عنصری جو اربعہ عناصر کا بنا ہوا ہے۔ عالم کون و مکان میں قرار پکڑتا اور اطاعت و عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے بعد ازاں اگر سرکشی اور مخالفت واقع ہوتی ہے تو اسے عناصر کی طبیعتوں سے منسوب کیا جاتا ہے مثلاً جزو ناری جو بالذات سرکش اور مخالفت طلب ہے ابلیس لعین کی طرح "انا خیر منہ" میں اس سے اچھا ہوں، پکارے گا۔ نفس مطمئنہ سرکشی سے باز آچکا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے سو جو ایک دوسرے سے راضی ہوں ان میں سرکشی کا خیال تک نہیں ہوتا اگر سرکشی ہے بھی تو قالب سے شاید جناب سردار کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شیطانی سرکشی کو جہاد اکبر سے تعبیر فرمایا ہو۔ کیونکہ اس کی پیدائش بھی جزو فاسی سے ہے اور یہ جو فرمایا ہے اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ ؕ اس سے مراد ہے میرے شیطان نے اسلام قبول کیا یا تو شیطان ظاہری ہے جو آنحضرت کا قرین ہے لیکن جہاد اکبر والی حدیث میں اندرونی شیطان سے مراد ہے اگرچہ اس شیطان کی شان و شوکت کو بھی توڑا ہوا ہے اور وہ سرکشی سے باز آیا ہوا ہے لیکن پھر بھی جو شے کسی کی ذات میں داخل ہو وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتی ہے سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ ہست۔ یا اس سے مراد اندرونی شیطان ہے اس کے اسلام قبول کرنے سے لازم آتا ہے کہ اس نے سرکشی بالکل ترک دی ہو باوجود اسلام کے اگر عزیمت کو ترک کرکے رخصت کا مرتکب ہو تو جائز ہے اور اگر کوئی ایسا صغیرہ سرزد ہو جس میں نیکی نہ ہو تو بھی اس کی گنجائش ہے بلکہ نیکوں کی نیکیاں مقربوں کے نزدیک برائی میں داخل ہیں بھی اسی قسم سے ہے یہ سب سرکشی کی قسمیں ہیں یہ سرکشی جو تھوڑے بہت اس میں باقی رہتی ہے وہ اسکی اصلاح و ترقی کے لیئے ہے کیونکہ ان امور کے حاصل ہو جانے کے بعد جس میں کمی کا انتہائی درجہ ترک کے حصول سے بہتر ہے ایسی ندامت پشیمانی توبہ اور استغفار ہاتھ آتی ہے جو بے نہایت ترقیوں کا موجب ہوتی ہے جب بدن عنصری اپنی جائے قرار میں آجاتا ہے تو لطائف ستہ کی جدائی اور ان کے عالم امر میں چلے جانے کے بعد اس جہان میں انکا خلیفہ بلاشک و شبہ یہی بدن رہ جاتا ہے اور یہی ان سب کے کام کرتا ہے بعد ازاں اگر الہام ہوتا ہے تو گوشت کے اسی ٹکڑے کو جو حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور اس حدیث نبوی مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ظَھَرَتْ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ جو شخص اخلاص سے چالیس دن اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا ہے حکمت کے چشمے اس کے دل سے اسکی

زبان پر جاری ہوتے جاتیں ہیں قلب سے مراد واللہ اعلم یہی گوشت کا ٹکڑا ہے دوسری حدیثوں میں بھی یہی مراد مقرر ہے۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ بے شک میرے دل پر پردہ کیا جاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پردہ اگر ڈھانپا ہوا ہے تو اس گوشت کے ٹکڑے پر نہ کہ حقیقت جامعہ پر کیونکہ وہ تو بالکل پردے سے بری ہے دوسری حدیثوں میں دل کے پلٹنے کا ذکر آیا ہے چنانچہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ الخ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے مابین ہے۔ نیز آں حضرت صلعم نے فرمایا ہے قَلْبُ الْمُؤْمِنِ كَرِيْشَةٍ فِيْ اَرْضٍ فَلَاةٍ مومن کا دل بیابان کے گھانس کی طرح ہے نیز فرمایا ہے اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ اے معبود! میرے دل کو اپنی طاعت پر ثابت رکھنا' پلٹنا اور عدم اسی گوشت کے ٹکڑے کے لئے ہے کیونکہ حقیقت جامعہ ہرگز نہیں پلٹتی اس واسطے کہ وہ راسخ و مطمئین ہے جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دل کے واسطے اطمینان کی درخواست کی تو اس وقت آپ کی مراد اسی گوشت کے ٹکڑے سے تھی۔ نہ کہ کسی اور چیز سے کیونکہ آپ کا حقیقی دل تو بلاشک وشبہ مطمئین تھا بلکہ آپ کا نفس بھی آپ کے حقیقی قلب کی سیاست کی وجہ سے مطمئن تھا عوارف المعارف کے مصنف قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ الہام اسی نفس مطمئنہ کی صفت ہے جو مقام قلب تک عروج کر گیا ہو اور بے شک تلون و تقلب نفس مطمئنہ کی صفات ہیں اور یہ جیسا کہ تم دیکھتے ہو مذکورہ بالا حدیثوں کیخلاف ہے اگر اس مقام سے جسکا ذکر شیخ صاحب نے لکھا ہے۔ عروج حاصل ہو اس واسطے کہ شخص تھے جب سے اس حقیقت معلوم کر لی ہے اب جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی صداقت بھی تم پر عیاں ہو گئی ہوگی کیونکہ کشف الہام اور اخبارات نبویہ میں باہمی مطابقت ہو گئی ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسی گوشت کے ٹکڑے پر الہام ہوتے ہیں اور یہی خلیفہ ہے اور اسی کے احوال بدلتے رہتے ہیں اگر میرا کہنا بالغرض ہٹ دھرم اور اصل حقیقت سے قاصر و جاہل لوگوں کو ناگوار گزرے تو حدیث نبوی کا ان کے پاس کیا جواب ہے خود جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ فِيْ جَسَدِ بَنِيْ اٰدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ اس میں شک نہیں کہ بنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ سنورا ہوا ہو تو سارا جسم سنورا ہوا ہوتا ہے اور جب اس میں بگاڑ ہو تو تمام جسم میں بگاڑ ہوتا ہے اور وہ دل ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مبالغہ کے طور پر فرمایا ہے کہ دل وہ ہے اور سارے جسم کا سنورنا بگڑنا اسی کے سنورنے بگڑنے پر منحصر ہے سو سنوار بگاڑ گوشت

کے ٹکڑے کے لئے ہے نہ کہ قلب حقیقی کے لئے خواہ نیابت اور خلافت کے طریق پر ہی ہو۔ واضح رہے کہ جب روح جسم سے مُوتُوا قبل ان تموتوا مرنے سے پہلے مرجاؤ والی موت کے سبب جدا ہو جاتی ہے۔ تو عارف واصل اپنی روح کو نہ جسم میں داخل اور نہ اس سے خارج نہ اس سے ملی ہوئی اور نہ اس سے جدا پاتا ہے اسے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا یہ تعلق اس واسطے ہے کہ جسم کی بھی اصلاح سی ہو جائے اور روح بھی اپنے اصلی کمال پر پہنچ جائے اور اس تعلق کی منشا یہی ہے کہ نیکی اور بہتری ہو جائے اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو جسم سارے کا سارا شریر اور ناقص رہ جاتا اور یہی حالت ہے واجب تعالیٰ کی روح وغیرہ کے ساتھ کہ ذات حق نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج نہ اس سے ملی ہوئی ہے اور نہ اس سے جدا۔ اللہ تعالیٰ کو جہاں سے پیدا کرنے باقی رکھنے کمالات کا فیض پہنچانے اور نعمت اور نیکیوں کے لئے مستعد بنانے کا تعلق ہے اگر تم یہ کہو کہ علمائے اہل حق نے روح کے بارے میں اس قسم کا کلام نہیں کیا بلکہ ایسا کرنے کو جائز ہی نہیں فرمایا اور آپ ہر چھوٹی بڑی بات میں ان کی موافقت کو لازم جانتے ہیں پھر آپ کے اس طرح کلام کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روح کی حقیقت جاننے والے عالم بہت کم ہیں انہوں نے کمالات روح کی کشف کے متعلق مفصل کچھ نہیں لکھا بلکہ مجمل طور پر لکھنے پر اس واسطے اکتفا کی ہے کہ عوام الناس چونکہ اس کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ایسا نہ ہو کہ اُلٹے گمراہی میں نہ پڑجائیں بے شک کمالات روحی کمالات وجوبیہ کی شبیہ اور صورت ہیں ان میں ایک باریک فرق ہے جسے صرف علمائے راسخ ہی جانتے ہیں اس لئے انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس کی حقیقت کو مجمل بیان کیا جائے یا بالکل نہ کیا جائے لیکن وہ روح کے مذکورہ بالا کمالات کے منکر نہیں ہیں نے جو روح کے بعض خواص منکشف کئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے کشف صریح اور علم صحیح حاصل ہے اور ساتھ ہی مجھ سے وہ شبہ دور کر دیا گیا ہے جو بیان کرنے سے روکتا ہے اب غور و فکر کرو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جس طرح جسم کو روح سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں اسی طرح روح کو بھی جسم سے بڑے بڑے فوائد پہنچے ہیں۔ چنانچہ جسم ہی کی برکت سے اُسے سننے دیکھنے بات کرنے مجسم ہونے مختلف افعال کرنے اور عالم اجساد سے مناسب ہونے کی طاقت نصیب ہوئی۔ جب نفس مطمئنہ روحانیوں سے مل جاتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو عقل اس کی بجائے اس کا خلیفہ بنکر عالم اجساد میں بیٹھتی ہے اور اس کا نام عقل معاد ہو جاتا ہے

اسوقت اسکی تمام سوچ بچار صرف آخرت کے لئے محدود ہو جاتی ہے دنیاوی زندگی کے اسباب کی طرف سے فارغ ہو جاتی ہے اور جو نور اُسے عطا ہوا ہے اسکے سبب فراست کے لائق ہو جاتی ہے یہ مرتبہ کمالاتِ عقل کا انتہائی مرتبہ ہے ناقص یہاں پر یہ اعتراض نہ کرے کہ کمالاتِ عقل کا انتہائی مرتبہ نسیان معاش و معاد میں متحقق ہونا چاہیئے کیونکہ شروع میں اسے سوائے حق سبحانہ تعالےٰ کے اور کسی کا خیال و اندیشہ نہیں ہوتا گیا دنیا گیا آخرت دونوں کی طرف سے فارغ ہوتی ہے اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسیان و فراموشی اسے اثنائے راہ میں مرتبہ فنا فی اللہ پر پہنچکر حاصل ہوئی اور یہ کمال اس سے بدرجہا متجاوز ہے یہاں حصول جہل کے بعد رجوع علم تحقیق جمع کے بعد فرق کا لوٹ آنا اور مرتبہ جمع میں کے کفر طریقت کے بعد اسلام حقیقی حاصل ہوتا ہے کوتہ اندیش اور احمق فلسفیوں نے عقل کے چار مراتب ثابت کرکے انہیں پر اس کے کمالات کا انحصار رکھا ہے یہ انکی کمال نادانی ہے عقل کی حقیقت اور اسکے کمالات کا اندازہ عقل و وہم سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس مطلب کے لئے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے جو انوار نبوّت کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہوں اگر یہ پوچھیں کہ مشائخ نے جو عقل کو روح کا ترجمان لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ علوم و معارف جو روحانی تلقی کے باعث مبدأ فیاض سے حاصل ہوتے ہیں انہیں قلب جو کہ عالم ارواح سے ہے اخذ کرتا ہے ان کا ترجمان عقل ہے کہ انکو چھانٹ کر عالم خلق کے گرفتاروں کی سمجھ کے لائق بناتا ہے کیونکہ اگر وہ ترجمانی نہ کرے تو ان کا سمجھنا مشکل بلکہ محال ہو جاتا ہے چونکہ دل گوشت کا لوتھڑا قلبی حقیقت جامعہ کا خلیفہ ہے اس واسطے وہ اصل کی طرح ہو گیا ہے اس کی تلقی بھی روحانی تلقی ہو گئی ہے اسواسطے اُسے ترجمان کی ضرورت ہوئی ہے واضح رہے کہ عقل معاد پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جو نفس مطمئنہ کی ہمسائیگت کے شوق کا باعث ہوتا ہے یہانتک کہ نفس مطمئنہ کو اس کے مقام تک پہنچاتا ہے اور جسم کو خالی چھوڑتا ہے اس وقت تعلق تذکر و تعقل بھی قلبی ٹکڑے میں قرار پکڑتا ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ وہ صاحب قلب وجہ کے لیے اس میں ذکر ہے وہی قلب خود آپ ہی اپنا ترجمان ہو جاتا ہے اسوقت عارف کو قالب سے بالا پڑتا ہے ناری جزو جس کے وجود سے "انا خیر منہ" میں اس سے اچھا ہوں کی آواز نکلتی تھی فرمانبردار ہونے لگتا ہے اور ہوتے ہوتے اسلام حقیقی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے تب ابلیسی جامہ اس سے اُتار کر نفس مطمئنہ کے اصلی مقام میں پہنچاتے ہیں اور اُس کا نائب مناب بنا دیتے ہیں پس قالب میں قلب حقیقی کا خلیفہ یہی گوشت کا ٹکڑا ہے اور نفس مطمئنہ کا نائب مناب جزو ناری ہے

مصرعہ زر شد مسِ وجودِ من از کیمیائے عشق۔ جزو ہوائی روح سے مناسبت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ سالک جب مقام ہوا تک عروج کر جاتا ہے۔ تو اسی ہوا کو حقانیت کا عنوان جاننے لگتا ہے۔ اور اسی میں گرفتار رہتا ہے چنانچہ مقام روح میں بھی یہی شہود ہاتھ آتا ہے اور اس میں گرفتار رہتا ہے۔ ایک شیخ نے فرمایا ہے۔ کہ میں تیس[۳۰] سال روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا لیکن جب اس مقام سے مجھے عبور حاصل ہوا۔ تو حق و باطل میں تمیز ہو گئی۔ یہ جزو ہوائی مقام روحی کی مناسبت کے سبب اس قالب میں روح کا قائم مقام ہوتا ہے اور بعض امور میں روحی ہی کا کام دیتا ہے جزو آبی حقیقت جامعہ قلبیہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اسی واسطے اسکا فیض تمام اشیاء کو پہنچتا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ "ہم نے پانی سے تمام چیزوں کو زندہ کیا۔ اس کی بازگشت بھی یہی قلبی گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جزو خاکی جو اس قالب کا جزو اعظم ہے۔ اپنی ذات صفات آلودگی کمینگی اور خست سے پاک ہو کر اس قالب میں غالب و حاکم بنجاتا ہے۔ قالب میں ہر طرح کا حکم اسی کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ یہ بات مجھے خاک کی جامعیت تامہ کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ تمام اجزائے قالب درحقیقت اسی کے اجزا ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کرۂ زمین تمام عناصر افلاک کا مرکز ہے۔ اور کرۂ زمین کا مرکز۔ تمام جہان کا مرکز ہے اس وقت قالب کا معاملہ بھی انجام تک پہنچ جاتا ہے۔ اور عروج و نزول کا انتہائی درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور اعلے درجہ کی تکمیل نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ ہے وہ نہایت جو بدایت کی طرف رجوع رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ روح معہ اپنے توابع و مراتب گو بطریق عروج اپنی جائے قرار پر پہنچ چکی ہو لیکن چونکہ ابھی اُسے قالب کی ترتیب کرتی ہوتی ہے۔ اس واسطے اس جہان کی طرف اسکے لئے متوجہ ہونا ضروری تہا۔ سو جب قالب کا معاملہ انجام تک پہنچ چکتا ہے۔ تو روح معہ سر۔ خفی۔ اخفی۔ قلب نفس اور عقل جناب باری کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور اس قلب سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے۔ اسوقت قالب بھی ہمہ تن مقام عبودیت کیطرف متوجہ ہو جاتا ہے پس روح معہ اپنے مراتب کے شہود و حضور کے مقام میں جگہ پکڑتی ہے اور غیر حق کی دید و دانش سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے اور قالب سر بسر مقام طاعت و بندگی میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو "فرق بعد الجمع" وصال کے بعد جدائی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی لذت کی توفیق عنایت کرتا ہے۔ مجھے اس مقام میں خاص قدم حاصل ہے وہ اس خلص

قدم سے مراد روح کا معہ اپنے مراتب عالم خلق کی طرف لوٹنا ہے۔ تاکہ خلقت کو حق سبحانہ تعالیٰ کیطرف بلائے۔ اسوقت روح بمنزلہ قالب ہوتی ہے۔ اور اس کی تابع ہوتی ہے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اگر قالب حاضر ہے۔ تو روح بھی حاضر ہے اگر قالب غافل ہے تو روح بھی غافل ہے مگر نماز کے وقت خواہ قالب غافل ہی ہو روح معہ اپنے مراتب بارگاہ قدس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اسواسطے نماز مومن کا معراج ہے۔ واضح رہے کہ یہ رجوع واصل جو بالتمام واقع ہوتا ہے۔ دعوت کا سب سے کامل مقام ہے۔ یہ غفلت جمع کثیر کے حضور کا سبب ہے۔ غافلوں کو اس غفلت کی خبر نہیں۔ اور حاضروں کو اس رجعت کا علم نہیں۔ یہ مقام بظاہر برا لیکن بباطن اچھا ہے۔ ہر ایک کوتہ اندیش اسے نہیں سمجھ سکتا اگر میں اس غفلت کے کمالات بیان کروں تو کوئی شخص بھی حضور کی آرزو نہ کرے۔ یہ وہ غفلت ہے جس نے خواص بشر کو خواص مَلَک پر فضیلت دی۔ یہ وہ غفلت ہے جسکے سبب جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم رحمت عالمیان بنے یہ وہ غفلت ہے جو ولایت سے نبوت تک پہنچاتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جو نبوت سے رسالت تک لے جاتی ہے یہ وہ غفلت ہے جو اولیائے عشرت کو اولیاے عزلت پر زیادتی بخشی ہے یہ وہ غفلت ہے جو جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو صدیق اکبرؓ پر سبقت دیتی ہے۔ حالانکہ دونوں گھوڑے کے دو نو کانوں کی طرح تھے۔ یہ وہ غفلت ہے جو ہوش کو مستی پر ترجیح دیتی ہے یہ وہ غفلت ہے جو نبوت کو ولایت سے افضل بناتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جس کے سبب قطب ارشاد قطب ابدال سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جس کی آرزو صدیق اکبرؓ کیا کرتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں "یَا لَیْتَنِیْ صَحْوُ مُحَمَّدٍ کاش محمدؐ کی سی ہوش مجھے نصیب ہوتی"۔ یہ وہ غفلت ہے۔ کہ حضور اسکا ایک ادنےٰ خادم ہے یہ وہ غفلت ہے کہ وصول اسکے حصول کا پیش خیمہ ہے یہ وہ غفلت ہے کہ بظاہر تنزل ہے لیکن حقیقت میں عروج ہے یہ وہ غفلت ہے۔ جس سے خواص پر عوام کا شبہ پڑتا ہے اور انکے کمالات کے قبوں میں پھرتی ہے ؎ اگر گویم شرح ایں بیحد شود۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے۔ اور سمندر میں سے قطرہ کے مطابق لکھا گیا ہے وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔

منہا۔ حضرت ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں تجلئے ذاتی سے ممتاز

ہیں۔ اور اس دولت سے جو تمام کمالات سے بڑھ کر ہے مخصوص ہیں۔ آں حضرت صلعم کے کامل تابعین کو بھی اس خاص مقام سے مفادہ حاصل ہوتا ہے لیکن یاد رکھنا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُمت محمدی کے کامل باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں یہ اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے سراسر خلاف ہے یہ فضیلت جزئی نہیں کہ اس سے شبہ رفع ہوسکے بلکہ کلی ہے کیونکہ مردان خدا کو بہ سبب قرب الٰہی فضیلت حاصل ہوتی ہے اور جو فضیلت سے کم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنے سے کہ اس اُمت کے کامل آدمیوں کو اس فضیلت سے نصیبہ حاصل ہے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس مقام کے واصل ہیں کیونکہ نصیبہ حاصل ہونے اور واصل ہونے میں بڑا فرق ہے فضیلت واصل ہونے پر حاصل ہوئی ہے اس اُمت کے کاملوں کا انتہائی عروج اقدام انبیاء علیہم السلام کے نیچے تک ہے چنانچہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو انبیاء کے بعد تمام بنی نوع انسان سے افضل ہیں کا انتہائی عروج قدم نبی کے تلے تک ہے جو تمام انبیاء سے ادنےٰ ہے۔ آمدم برسرِ مطلب اس اُمت کے کامل تابعین کو مقام تحت میں پیغمبروں کے مخصوصہ مقام فوق الفوق کے کمالات سے نصیبہ حاصل ہوتا ہے۔ خادم خواہ کہیں ہو اُسے مخدوم کا پس خوردہ پہنچ رہتا ہے۔ دور کا خادم مخدوم کے طفیل سے وہ چیز حاصل کر سکتا ہے۔ جو خدمت کی دولت بغیر نزدیکوں کو بھی ہاتھ نہیں آتی ؎

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم ۔۔۔ ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

واضح رہے۔ کہ کبھی مریدوں کو اپنے پیروں کے حق میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب وہ پیروں کے مقامات حاصل کر لیتے ہیں تو خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہم اور ہمارے پیر برابر ہیں لیکن معاملہ کی اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے برابری اسی واسطے ہوئی جب اس معامات پر پہونچ جائیں نہ کہ حاصل ہو جائیں۔ کیونکہ حصول طفیلی ہے اس سے یہ بھی خیال نہ کرنا چاہئے کہ مرید اپنے پیر کے مساوی نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ مساوی ہونا جائز ہے۔ اور ایسا ہوا ہے لیکن کسی خاص مقام کے حصول اُسکے وصول میں بڑا باریک فرق ہے ہر مرید کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔ اس فرق کو معلوم کرنے کے لئے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ بِالصَّوَابِ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

منہا۔ ایک درویش نے پوچھا۔ اسکا کیا سبب ہے کہ سالک طریقت پر ایسی حالت

بھی آتی ہے کہ کچھ عرصہ نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے ہٹتا ہے کہ بعدازاں پوشیدہ ہو جاتا ہے مدت بعد پھر وہی حالت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر عرصے بعد پوشیدہ ہو جاتا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے ایسا ہی ہوتا رہتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ آدمی میں سات لطیفے ہیں ہر ایک لطیفے کی مدتِ سلطنت جدا جدا ہے۔ پس اگر کوئی قوی حالت ان میں سے نہایت لطیف پر نزول فرمائے تو سالک کی کلیت اس لطیفے کے رنگ میں رنگی جاتی ہے اور وہ حال تمام لطائف میں سرایت کر جاتا ہے اور جتنی اس لطیفے کی مدت سلطنت مقرر ہوتی ہے اتنا عرصہ وہ حالت قائم رہتی ہے جب وہ عرصہ گذر جاتا ہے تو وہ حالت بھی زائل ہو جاتی ہے مدت بعد اگر پھر وہی حالت طاری ہو جائے۔ تو دو حال سے خالی نہیں یا تو پھر اُسی پہلے لطیفے پر لوٹ آتا ہے اسوقت راہ ترقی سالک کے لئے مسدود ہو جاتی ہے یا دوسرے لطیفے پر وارد ہو رہے اس صورت میں ترقی کی راہ کھل جاتی ہے اور دوسرے لطیفے میں بھی پہلے لطیفے کی سی حالت طاری ہوتی ہے پھر اس حالت کے زائل ہونے کے بعد اگر وہی حالت طاری ہو تو مذکورہ بالا دو حالتوں سے خالی نہیں اسی طرح سارے لطائف میں یہ حالت ہوتی ہے پس اگر وہ وارد تمام لطائف میں بطریق اصالت سرایت کرے تو ایک مقام سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے۔ اور زوال سے محفوظ رہتا ہے اللہ تعالےٰ حقیقت حال کو اچھی طرح جانتا ہے وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْھَرِ۔

منہا قَالَ اللہُ تَعَالٰے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ٭ اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہارا رزق مقرر کیا۔ اس میں سے پاکیزہ کھاؤ۔ اور اللہ تعالےٰ کا شکر بجالاؤ۔ اگر تم اسی کی پرستش کرتے ہو۔ ممکن ہے کہ یہ کھانے کے حکم کی قید من طیبات ملحوظ ہو یعنی لذیذ چیزیں کھاؤ۔ جو ہم نے تمہارے لئے بطور رزق مقرر کی ہیں۔ بشرطیکہ تم بذریعہ عبادت اسے مخصوص اور درست کرو۔ اگر تم اسے درست نہ کرو بلکہ لہو ولعب میں مشغول ہو۔ تو ملذ ذاشیا کا استعمال نہ کرو۔ کیونکہ تم مرض باطنی میں مبتلا ہو۔ اور ملذ ذاشیاء تمہارے لئے زہر قاتل ہیں جب تم سے باطنی مرض زائل ہو جائے۔ تو پھر تمہارے لئے ملذ ذاشیاء کا استعمال درست ہو سکتا ہے۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ طلب شکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے طیبات سے مراد لذیذ اشیاء ہیں۔

منہا۔ بعض مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ اللہَ لَا یَقْعُ ذَنْبٌ

جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے۔ اُسے گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی وہ گناہ جو خدا شناسی حاصل ہونے سے پہلے سرزد ہوئے تھے۔ کیونکہ اسلام تمام ان باتوں کو قطع کر دیتا ہے۔ جو اس سے پہلے ظہور میں آئی ہوں۔ اسلام کی حقیقت سے یہ مراد صوفیا کے طریقے کے موافق فنا و بقا حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی شناخت کا حاصل ہونا ہے۔ سو ایسی خدا شناسی ان تمام گناہوں کو جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہیں۔ زائل کر دیتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہوں جو اس معرفت کے بعد سرزد ہوئے ہوں۔ اور ان سے مراد گناہ صغیرہ ہوں۔ کیونکہ اولیا اللہ کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ صغیرہ گناہ اس واسطے نقصان نہیں دے سکتے۔ کہ انہیں چھپایا۔ اور جس وقت کوئی صغیرہ ظہور میں آتا ہے۔ اسی وقت توبہ و استغفار سے اسکا تدارک کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ اسکے یہ معنی ہوں۔ کہ خدا شناسی کے بعد اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا کیونکہ جب گناہ صادر ہی نہ ہوگا۔ تو نقصان کیونکر پہنچا سکے گا۔ یوں سمجھو کہ لازم کا ذکر کر کے ملزوم مراد لی ہے۔ ملحدوں نے اس عبارت کے جو بھی معنے نکالے ہیں کہ عارف کے لئے گناہوں کا ارتکاب وسیع ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ محض باطل اور صریح بے دینی ہے۔ یہ لوگ شیطانی گروہ ہیں۔ سنو شیطانی گروہ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں اے پروردگار ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو معرفت عنایت فرما اور اپنی طرف سے رحمت عطا کر۔ واقعی تو بہت بخشنے والا ہے" صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ"

وسیع مغفرت والے سخی اللہ تعالیٰ سے ہم اُمید کرتے ہیں۔ کہ حقیقت اسلام سے واقف عارف کو خدا شناسی حاصل ہونے سے پہلے کے گناہ نقصان و تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے خواہ وہ گناہ مظالم و حقوق عباد کے متعلق ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور بندوں کے دل اس کی دو انگلیوں کے مابین ہیں جسطرح چاہتا ہے انہیں اُلٹتا پلٹتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مطلق اسلام سے مظالم و حقوق العباد کے سوا باقی گناہ منقطع ہو جاتے ہیں کسی چیز کی حقیقت اور اس کی کمالیت زیادتی ہوتی ہے۔ نہ کہ اس کے مطلق کے لئے منہا۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی ذات سے موجود ہے۔ نہ کہ وجود سے اسکے برخلاف تمام موجودات وجود سے موجود ہیں پس اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کے لئے وجود کا ہونا لازم نہیں۔ اگر حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی موجودیت کے لئے وجود کا محتاج ہوتا۔ تو ہمیں وجود کی

عینیت کا قائل ہونا پڑتا۔ اور اُسکے ثبوت کے لئے بڑی لمبی چوڑی دلیلیں دینی پڑتیں۔ اور ایسا کرنے میں ہم جمہور اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرتے۔ کیونکہ یہ بزرگ عینیت وجود کے قائل نہیں۔ بلکہ وجود کو زائد خیال کرتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ وجود کی زیادتی سے واجب الوجود کو غیر احتیاج لازم آتی ہے۔ اگر زائد وجود سے واجب تعالیٰ کو موجود کہیں۔ اور خواہ بذات خود موجود کہیں۔ اور اس وجود کو عرض عام فرض کریں۔ تو بھی اہل حق جمہور متکلمین کی بات درست ہوتی ہے اور احتیاج کا اعتراض جو مخالف لوگ کرتے ہیں۔ بالکل دُور ہو جاتا ہے۔ واجب تعالیٰ کو اپنی ذات سے موجود رکھنے اور اس میں وجود کو بالکل دخل نہ دینے میں۔ اور اس وجود کو عین ذات ثابت کرنے میں بڑا واضح فرق ہے۔ یہ معرفت وہ ہے جس سے اللہ تعالےٰ نے مجھے مخصوص فرمایا۔ اسبات کے لئے اللہ تعالےٰ کا شکر ہے وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ

منہا۔ حضرت واجب الوجود کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی ذات سے موجود اور اس موجودیت میں وجود کا مطلق محتاج نہیں۔ خواہ وجود کی عین ذات فرض کریں۔ خواہ ذات پر زائد۔ برابر ہے۔ دونو طرح ہی عینیت اور زیادتی خطرناک لازم آتی ہیں۔ چونکہ اللہ تعالےٰ کی عادت یونہی جاری ہے کہ جو چیز مرتبہ وجوب میں ہے۔ اسکا نمونہ ہر مرتبۂ امکان میں ظاہر کرتا ہے۔ خواہ وہ کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح کا اس خاصہ کا نمونہ عالم امکان میں وجود کو بنایا ہے۔ کیونکہ وجود گو موجود نہیں لیکن تاہم معقولات ثانویہ سے ضرور ہے لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض کر بھی لیں۔ تو بھی وہ اپنی ذات سے موجود ہوگا۔ نہ کہ کسی اور وجود سے جیساکہ عام طور پر مخلوق ہے یعنی عام مخلوق موجودیت کے لئے وجود کی محتاج ہے۔ کیونکہ مخلوق کی موجودیت کے لئے اس کی ذات ہی کافی نہیں۔ بلکہ وجود کی ضرورت پڑتی ہے پس جب کہ ایسا وجود جو چیزوں کی موجودیت میں مدخل بنایا ہے۔ اگر وہ موجود ہوگا۔ تو اپنی ذات سے موجود ہوگا۔ اور کسی اور وجود کا محتاج نہ ہوگا۔ تو کیا تعجب ہے کہ موجودات کا خالق مستقل طور پر اپنی ذات سے موجود ہو اور وجود کا بالکل محتاج نہ ہو دُور افتادوں کا اسبات کو بعید از عقل خیال کرنا خارج از بحث ہے۔ سو اللہ تعالےٰ الہم بالصواب ہے۔ اگر کوئی یہ کہے۔ کہ امام ابوالحسن اشعری کے پیرو حکما اور بعض صوفی ذات الٰہی کے لئے عینیت وجود کے قائل نہیں۔ اُنکی مراد بھی وہی ہے۔ جو آپ نے بیان فرمائی ہے۔ کہ واجب الوجود اپنی ذات سے موجود ہے۔ نہ کہ وجود سے۔ تو اسکا جواب میں یہ دُونگا۔ کہ اس لحاظ سے تو وہ اہلسنت سے متفق الرائے ہیں۔ کیونکہ

اگر مخالف ہوتے تو اہل حق یہ کہتے کہ حق تعالےٰ وجود سے موجود ہے۔ نہ کہ ذات سے۔ اس پہلو سے تو زیادتی وجود کا اثبات زائد ہے۔ پس زیادتی وجود کا اثبات اسبات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ دونو فریق نفس وجود کے بارے میں مختلف رائے ہیں۔ اگر انکا اختلاف رائے ہے تو حق تعالےٰ کے وصف کے بارے میں ہے۔ جو عینیت وزیادتی ہے یعنی دونوں فریق اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ وجود سے موجود ہے صرف اختلاف ہے تو عینیت وزیادتی کا ہے۔ اگر یہ نہیں کہ جب واجب الوجود اپنی ذات سے موجود ہے۔ تو پھر واجب تعالیٰ کو موجود کہنے کے کیا معنی؟ موجود اسی کو کہتے ہیں جس کا کوئی وجود نہیں۔ اور یہاں وجود کا ذکر تک نہیں اسکا جواب یہ ہے کہ واقعی وہ وجود جس سے ذات حق موجود ہو۔ واجب تعالےٰ میں مفقود ہے لیکن جو وجود بطور عرض عام ذات حق کے لئے کہا جاتا ہے اور بطریق اشتقاق گمان کیا جاتا ہے۔ اگر اسکے قیام کے لحاظ سے واجب الوجود کو موجود کہیں۔ تو اس میں گنجائش ہے۔ اور اس سے کسی قسم کا استحالہ لازم نہیں آتا۔ والسلام۔

منہا۔ میں ایسے خدا کی ہرگز پرستش نہیں کرتا۔ جو شہود کے احاطہ میں آجائے دکھائی دے۔ معلوم ہوجائے۔ اور وہم وخیال میں سما سکے۔ کیونکہ ظاہر ہونے والا۔ دکھائی دینے والا معلوم ہوجانے والا۔ وہم وقیاس اور خیال میں آنے والا۔ شاہد دیکھنے والے۔ عالم۔ وہم و خیال کرنے والے کی طرح مخلوق ومحدث ہوتا ہے مصرعہ۔ آں فقہ کہ در وہاں نگنجد طلبم سیر وسلوک کی اصلی غرض پردونکا پورا آنا ہے۔ خواہ وہ حجاب وجوبی ہوں یا امکانی حتیٰ کہ بلا پردہ وصل میسر ہوجائے نہ یہ کہ مطلوب کو قید میں لاکر شکار کریں۔ ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چین ۔۔۔ کانیجا ہمیشہ باد بدست است دام را

باقی رہا یہ کہ آخرت میں دیدار حق ہوگا۔ سو اُسپر ہمارا ایمان ہے۔ لیکن ہم اس کی کیفیت اس واسطے بیان نہیں کرتے کہ عوام الناس اسے نہیں سمجھ سکتے۔ خواص اسے سمجھ سکتے ہیں کیونکہ انہیں دیدار الٰہی دنیا میں بھی نصیب ہوتا ہے۔ گو اسے دیدار نہ ہی کہا جائے وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

منہا۔ جو چیز دید و دانش میں آسکتی ہے وہ تقیید اور اطلاق کے معیار سے گری ہوئی ہے۔ لیکن مطلوب وہ ہے جو تمام قیود سے منزہ ومبرا ہو۔ بس اُسے دید و دانش کے علاوہ ڈھونڈھنا چاہیئے۔ یہ معاملہ نظر عقل کے طور سے پرے ہے۔ کیونکہ عقل دید و دانش

کے پرے ڈھونڈنا محال جانتی ہے۔ ؎

رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس کین حال نیست صوفیٔ عالی مقام را

منہا: مطلق اپنے اطلاق کے معیار پر ہے کسی قسم کی قید کا اس میں دخل نہیں لیکن چونکہ مقید کے آئینے میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسواسطے اسکا عکس اس آئینے کے موافق رنگا جاتا ہے اور مقید محدود دکھائی دیتا ہے۔ اسواسطے وہ دید و دانش میں آتا ہے۔ اگر ہم دید و دانش پر اکتفا کریں تو گویا ہم اس مطلوب کے ایک عکس پر اکتفا کرتے ہیں۔ بلند ہمت شخص اخروٹ و منقے سے سیر نہیں ہوتے اللہ تعالےٰ عالی ہمت آدمیوں سے پیار کرتا ہے۔ اے پروردگار! ہمیں بھی جناب سید البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے صدقے عالی ہمت بنا۔

منہا۔ شروع حال میں ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں۔ اور کچھ اور لوگ بھی میرے ساتھ اس طواف میں شریک ہیں۔ لیکن وہ اسقدر سست رو ہیں۔ کہ جتنے عرصہ میں میں ایک دفعہ طواف کرتا ہوں۔ وہ صرف دو تین قدم اُٹھاتے ہیں۔ اسی اثناء میں معلوم ہوا۔ کہ یہ مکان فوق العرش ہے۔ اور باقی کے طواف کرنے والے ملائک کرام ہیں صلے اللہ علی نبینا و علیہم اجمعین۔ اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے۔ اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے واقعی اللہ تعالےٰ صاحب فضل عظیم ہے

منہا۔ اولیاء اللہ کے حجاب و پردے انکی بشری صفات ہیں جن چیزوں کی باقی تمام لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ ان بزرگوں کو بھی ہوتی ہے۔ انکا ولی ہونا انہیں احتیاج سے بری نہیں کر سکتا۔ انکی ناراضگی بھی عام آدمیوں کی ناراضگی کی طرح ہوتی ہے۔ اور تو اور خود جناب سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ” اَغْضَبُ کَمَا یَغْضَبُ الْبَشَرُ “ میں بھی عام انسانوں کی طرح ناراض ہوتا ہوں۔ جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ہے۔ تو اولیا اللہ کیونکر اس سے بری ہو سکتے ہیں۔ کھانے پینے اور اہل و عیال سے زندگی بسر کرنے اور اُن سے انس کرنے میں اولیا اللہ اور باقی آدمی شریک ہیں مختلف تعلقات جو لازمہ بشریت ہیں خواص و عوام سے زائل نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں فرمایا ہے ” وَمَا جَعَلْنٰھُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ “ ہم نے انکے جسم بھی کھانا کھانے والے بنائے ہیں۔ ظاہر میں کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے۔ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے پس جس کی نگاہ اولیا اللہ کے صرف ظاہر پر پڑتی ہے

وہ نعمت الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ اور دُنیا و آخرت کا نقصان اُٹھاتا ہے۔ اسی ظاہر بینی نے ابوجہل اور ابولہب کو دولت اسلام سے محروم رکھا۔ اور ابدی نقصان میں ڈالا۔ باسعادت وہی شخص ہے جو اہل رتبہ کے ظاہر کا چنداں خیال نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی نظر کی تیزی ان بزرگوں کے باطنی اوصاف تک پہنچتی ہے۔ اور صرف اُنکے باطن ہی کو دیکھتا ہے۔ اولیاء اللہ دریائے نیل کی طرح ہیں کہ محجوبوں کے لئے بلا اور محبوبوں کے لئے پانی ہیں۔ یہ عجیب معاملہ ہے۔ کہ جس قدر صفات بشریت کا ظہور اہل اللہ میں ہوتا ہے باقی آدمیوں میں نہیں ہوتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہموار اور مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ تھوڑی بھی ہو۔ تو بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور ناہموار اور غیر مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ زیادہ ہی ہو۔ کم دکھائی دیتی ہے۔ صفات بشریت کی تاریکی عوام الناس کے قلب و قالب اور روح و نفس میں سرایت کرتی ہے۔ لیکن خواص میں صرف قالب اور نفس تک محدود رہتی ہے اور خواص الخاص میں نفس بھی اس تاریکی سے بری ہوتا ہے صرف قالب تک محدود رہتی ہے۔ نیز یہ تاریکی عوام الناس کے لئے باعث نقصان و خسارت ہے۔ خواص میں موجب کمال و ترو تازگی خواص ہی کی تاریکی عوام الناس کی تاریکیوں کو زائل کرتی ہے۔ اُنکے دلوں کو صاف اور اُن کے نفوس کو پاک کرتی ہے۔ اگر یہ تاریکی نہ ہوتی۔ تو خواص کو عوام سے کوئی مناسبت نہ ہوتی اور فائدہ اُٹھانے اور پہچاننے کی راہ بند ہو جاتی۔ یہ تاریکی خواص میں اتنا عرصہ نہیں رہتی۔ کہ اُنہیں میلا کر دے۔ بلکہ اُسکے بعد جو ندامت و استغفار ہاتھ آتی ہے وہ کئی کدورتوں اور تاریکیوں کو دُور کر دیتی ہے اور ترقی نصیب ہوتی ہے۔ یہی تاریکی ہے جو فرشتوں میں نہ ہونے کے باعث وہ ترقی نہیں کر سکتے۔ اس تاریکی پر لفظ تاریکی کا اطلاق ایسا ہے کہ بظاہر باعث مذمت ہے۔ لیکن بحقیقت موجب مدح ہے۔ عوام الناس جو ڈھور ڈنگروں کی طرح ہیں۔ وہ اہل اللہ کی صفات بشری کو اپنی صفات بشریت کی طرح خیال کرتے ہیں اس واسطے محروم و خوار رہتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ وہ غائب کو حاضر موجود پر قیاس کرتے ہیں لیکن یاد رکھو۔ ہر مقام کی خصوصیتیں علیحدہ ہوتی ہیں۔ اور ہر محل کے لوازمات جدا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ ٭

منہا۔ جب تک انسان علم و دانش میں گرفتار ہے۔ اور ماسوائے اللہ کے نقوش سے منقش ہے۔ تب تک خوار و بے اعتبار ہے۔ ماسوائے اللہ کو بھلا دینا راہ سلوک کی شرط ہے اور ماعدا کا فنا کر دینا قدم پیش گاہ ہے جب تک باطنی آئینہ امکان کے زنگار سے صاف ہو جائے

حضرت وجوب کا ظہور محال ہے۔ کیونکہ علوم امکانی اور معارف وجوبی کا جمع ہونا گویا جمع اضداد ہے۔ یہانپر ایک زبردست سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب عارف کو بقاسے مشرف کرکے ناقصوں کی تعلیم کے لئے واپس لوٹاتے ہیں۔ تو جو علوم زائل ہو گئے تھے وہ پھر عود کر آتے ہیں۔ تو اس صورت میں علوم امکانی اور معارف وجوبی باہم جمع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ضدین ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ عارف باقی باللہ اسوقت برزخ ہوتا ہے۔ گویا وجوب اور امکان کے مابین وسیلہ ہے۔ اور دونو مقام کے رنگ سے رنگا ہوا ہوتا ہے۔ گو ایسی صورت میں اگر دونو مقاموں کے علوم و معارف جمع ہو جائیں۔ تو کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ ضدین کے اجتماع کا مقام ایک نہیں رہتا۔ بلکہ کئی مقام ہو جاتے ہیں۔ سو وہ تو جمع نہیں کہلا سکتے۔

منہا چیزونکے علوم جو مرتبہ فنا میں زائل ہو گئے تھے۔ بقا کے بعد اگر پھر لوٹ آئیں تو اس سے عارف کے کمال میں نقص لازم نہیں آتا۔ بلکہ انکا لوٹ آنا کمال پر دلالت کرتا ہے بلکہ اسکا کمال اسی لوٹ آنے سے وابستہ ہے۔ کیونکہ عارف بقا کے بعد اخلاق الٰہی سے متخلق ہو جاتا ہے واجب تعالےٰ میں اشیا کا علم عین کمال ہے اور اس کی ضد موجب نقصان ہے سو یہی حال عارف کا ہے۔ جو متخلق باخلاق اللہ ہوتا ہے۔ اس میں بھید یہ ہے۔ کہ ممکن کا علم معلوم کی صورت موجود ہونے سے حاصل ہوتا ہے پس ضروری ہے۔ کہ معلوم کی صورت کا حصول عالم پر اثر کرتا ہے جسقدر علم زیادہ ہوگا۔ اسی قدر عالم میں تاثر بھی زیادہ ہوگا۔ اور اس میں تغیر و تلون بھی زیادہ وسیع و بسیط ہوگا۔ یہ واقعی نقص ہے اسواسطے طالب کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام علوم کی نفی کرے۔ اور تمام چیزونکو فراموش کردے۔ لیکن واجب تعالےٰ کے علم کی یہ کیفیت نہیں کیونکہ ذات الٰہی اسبات سے منزہ ہے۔ کہ اس میں اشیائے معلومہ کی صورتیں حلول کریں بلکہ انسے علم کا تعلق ہوتے ہی تمام اس سے منکشف ہو جاتی ہیں۔ پس وہ ذات پاک ہے جو حدوث مخلوق سے بلحاظ ذات صفات اور افعال بالکل نہیں بدلتا۔ جو عارف متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔ اس کا علم بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ اس میں بھی اشیائے کے معلومات کی صورتیں حلول نہیں کر سکتیں۔ نہ اس کے حق میں تاثر ہوتا ہے۔ نہ تغیر و تبدل اور نہ ہی یہ بات اس کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ بلکہ موجب کمال ہوتا ہے۔ یہ اسرار الٰہی میں سے ایک پوشیدہ راز ہے اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اُسے وہ حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی حرمت سے اس سے مخصوص کرتا ہے۔

منہا۔ جب میں اپنے پیر کے وسیلے راہ حق کی طرف متوجہ ہوا۔ تو بارہویں سال مجھے مقام رضا سے مشرف فرمایا گیا پہلے نفس کو اطمینان عنایت فرمایا۔ بعد ازاں بتدریج فضل الٰہی سے یہ سعادت (مقام رضا) نصیب کی۔ اور اس دولت سے اسوقت تک مشرف نہ ہوا جب تک رضائے الٰہی حاصل نہ ہوئی پس نفس مطمئنہ اپنے مولےٰ سے راضی ہوا۔ اور اسکا مولا اس سے راضی ہوا۔ اِسبات کے لئے اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ مبارک رمبارک والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہ محمد و آلہ اگر یہ کہیں کہ جب نفس اپنے مولےٰ سے راضی ہوگیا۔ تو پھر دعا اور دفع بلا کی طلب کا کیا مطلب۔ اِسکا جواب یہ ہے کہ مولےٰ کے فعل سے راضی ہونے سے اس کی مخلوق کی رضا لازم نہیں آتی۔ بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ مخلوق سے رضا بصورت کفر و معاصی بری ہوتی ہے۔ پس خلق قبیح سے راضی ہونا لازم اور نفس قبیح سے کراہت کرنا واجب ہے۔ جب مولےٰ نفس قبیح سے راضی نہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ بندہ اِسصورت میں شدت و غلظت کے لئے مامور ہے۔ پس مخلوق سے کراہت کرنا اس کے خلق کی رضا کا منافی نہیں ہوسکتا اسی واسطے دفع بلا کی طلب ضروری ہے جن لوگوں نے رضا حاصل ہوجانے کے بعد وجود کراہت میں مفعول سے کراہت اور فعل سے راضی ہونے میں فرق نہیں کیا۔ وہ شبہے میں رہے ہیں اسی شبہے کو دور کرنے کے لئے اُوہنوں نے طرح طرح کے تکلفات سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ وجود کراہت حال رضا کا منافی ہے نہ مقام رضا کا۔ سو حال اور مقام میں بڑا فرق ہے۔ حق بات وہی ہے۔ جو میں نے بذریعہ الہام الٰہی تحقیق کردی ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی +

منہا۔ مدت تک میری یہ آرزو رہی۔ کہ حنفی مذہب میں کوئی معقول وجہ ہو۔ تاکہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ کیونکہ جب نماز میں قرآن شریف کا پڑھنا فرض ہے تو حقیقی قرأت سے اعتراض کرکے حکمی قرأت قرار دینا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ حدیث نبوی میں بھی ہے "عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ" الحمد بغیر نماز نہیں ہوتی۔ لیکن بپاس مذہب مجبوراً ترک کرتا رہا اور اس ترک کو ریاضت و مجاہدہ خیال کرتا رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مذہب کے پاس کی برکت سے اسبات کی حقیقت مجھپر ظاہر کردی۔ کہ مذہب حنفی میں مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کیوں نہیں پڑھنی چاہیئے۔ نیز مجھے قرأت حقیقی سے قرأت حکمی زیادہ معلوم ہوئی۔ حقیقت یہ

ہے۔ کہ امام اور مقتدی دونو مقام مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں۔ جیساکہ "لِاَنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ" نمازی اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے سے ظاہر ہے۔ امام کو اسکام میں پیشوا بناتے ہیں پس جو کچھ امام پڑھتا ہے گویا وہ مقتدیوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کچھ لوگ کسی عظیم الشان بادشاہ کی خدمت میں کسی ضرورت کے لئے حاضر ہوں اور ایک کو اپنا پیشوا بنائیں تاکہ سب کی طرف سے وہ بادشاہ کی خدمت میں صورت حال عرض کرے اس صورت میں اگر دوسرے بھی پیشوا کے ساتھ ہی بولنے لگ جائیں۔ تو سخت بے ادبی ہے اور بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ بس ان لوگوں کی عکسی بات چیت پیشوا کی زبانی عرض کرنا حقیقی بات چیت سے بہتر ہے بعینہ یہی حال ہے۔ امام اور مقتدیوں کا کہ امام کی قرات کے وقت مقتدیوں کا پڑھنا شور و فساد میں داخل اور دور از ادب ہے۔ اور جدائی کا موجب ہے جو اجتماع منافی ہے اکثر مسائل حنفی و شافعی جن میں اختلاف ہے اس قسم کے ہیں کہ ظاہر میں شافعی پہلو کو ترجیح ہوتی ہے۔ لیکن باطن و حقیقت میں حنفی پہلو زبردست ہوتا ہے۔ مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کلام حق میں جہاں جہاں فریقین کا اختلاف ہے اس میں حنفی حق بجانب ہیں کہ تکوین ایک علیحدہ صفت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ فقہی خلافیات میں اکثر مسائل میں یقیناً حنفی حق بجانب ہے بہت کم مسائل ایسے ہیں جن میں فریق ثانی کو ترجیح حاصل ہے مجھے توسط خال ایک رات جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم علم کلام کے ایک مجتہد ہو اسوقت سے لے کر مسائل کلامیہ میں میرے رائے خاص اور میرا علم مخصوص اکثر مسائل خلافیہ جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کا خلاف ہے شروع مسئلہ میں اشاعرہ حق بجانب معلوم ہوتے ہیں لیکن جب نور فراست سے دیکھا جائے۔ تو واضح ہو جاتا ہے کہ ماتریدیہ حق بجانب ہیں۔ علم کلام کے متعلق تمام مسائل خلافیہ ہیں۔ میری رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے واقعی ان بزرگوں کی شان بہ سبب پیروی سُنت نبوی عَلٰے اَصَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ نہایت عظیم ہے انکے مخالفوں کو فلسفی مسائل میں مشغول ہونے کے سبب وہ شان حاصل نہیں گو دونو فریق اہل حق ہیں۔ دیکھو ان بزرگوں میں سے سب سے بزرگ اور سب سے بڑے پیشوا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بابت کیا شافعیؒ کیا مالکؒ اور کیا احمد حنبلؒ سبھی اعلےٰ رائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اَلْفُقَہَاءُ کُلُّھُمْ عِیَالٌ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ "تمام فقیہ ابو حنیفہ کے عیال ہیں" منقول

ہے کہ جب امام شافعیؒ - امام اعظمؒ کی قبر کی زیارت کرنے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیتے اور اپنے لئے عمل کرتے اور فرماتے مجھے شرم آتی ہے۔ کہ اُنکے حضور میں اپنے لئے ایسا عمل کروں۔ جو انکی رائے کے خلاف ہو۔ چنانچہ آپ نہ ہی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کرتے اور نہ ہی فجر کے وقت قنوت۔ واقعی امام ابوحنیفہؒ کی شان کو امام شافعیؒ ہی اچھی طرح جانتے ہیں آخری زمانے میں جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام نزول فرماوینگے تو مذہب حنفی کے مطابق عمل کرینگے چنانچہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ فصول ستہ میں فرماتے ہیں اور یہی ان کی بزرگی کی کافی علامت ہے کہ ایک پیغمبر اولی العزم اُنکے مذہب پر عمل کرے گا۔ کسی اور کی سینکڑوں بزرگیاں بھی اُسکی ایک بزرگی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ ہمارے حضرت خواجہ صاحب (خواجہ باقی قدس سرہٗ) فرماتے تھے۔ کہ میں بھی کچھ عرصہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھا کرتا تھا۔ آخر ایک رات خواب میں میں نے امام اعظمؒ کو دیکھا۔ کہ اپنی مدح میں ایک نہایت اعلےٰ درجے کا قصیدہ پڑھ رہے ہیں جسکے مضمون سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ بہت سے اولیا میرے مذہب کے پابند ہوئے ہیں۔ تب سے میں نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ترک کر دیا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی کامل کسی ناقص کو تعلیم طریقہ کی اجازت دے دیتا ہے اور جب اُسکے مرید بہت ہوجاتے ہیں تو اس ناقص کے مرید اسکا کام مکمل کر دیتے ہیں چنانچہ حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ نے مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمتہ کو درجہ کمال پر پہنچنے سے پیشتر تعلیم طریقہ کی اجازت عنایت فرمائی۔ اور حکمدیا۔ کہ یعقوب جو کچھ مجھ سے تجھے ملا ہے۔ وہ لوگوں کو پہنچا دینا۔ مولانا یعقوب کا کام بعد ازاں خواجہ علاؤالدین عطار قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں سرانجام ہوا۔ اسی واسطے مولانا عبدالرحمن جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔ کہ مولانا یعقوب پہلے خواجہ علاؤالدین عطار کے مرید تھے۔ بعد میں خواجہ نقشبند کے مرید ہوئے۔ اسی طرح جب کوئی کامل اپنے مرید کو جس نے ولایت کا ایک درجہ طے کر لیا ہو۔ تعلیم طریقہ کی اجازت دے۔ تو وہ مرید ایک لحاظ سے کامل ہے۔ اور ایک لحاظ سے ناقص۔ یہی حال اس مرید کا ہے جس نے ولایت کے دو یا تین درجے طے کئے ہوں۔ وہ ناقص بھی ہے اور کامل بھی۔ کیونکہ جب تک آخری درجہ طے نہ کرے۔ وہ کامل بھی ہوتا ہے اور

ناقص بھی۔ جب کامل اپنے مرید کو تعلیم طریقت کی اجازت دینے کا مختار ہے۔ تو یہ ضروری نہیں کہ مرید انتہائی درجہ کر چکا ہو۔ واضح رہے۔ کہ گو نقص اجازت کا منافی ہے۔ لیکن جب کوئی کامل و مکمل کسی ناقص کو اپنا نائب بناتا ہے۔ اور اسکے ہاتھ کو اپنا ہاتھ جانتا ہے۔ تو نقص کا ضرر تجاوز نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب +

منہا۔ یاد داشت سے مراد دائمی حضور ذات حق ہے۔ اور یہ بات کبھی ارباب قلوب کو بھی دل کی جمعیت کی وجہ سے خیال میں آجاتی ہے۔ اسواسطے کہ جو کچھ سارے انسان میں ہے وہ اکیلے دل میں ہے۔ گو ان میں مجمل و مفصل کا فرق ہے پس مرتبہ قلب میں بھی حضور ذات تعالےٰ و تقدس دائمی طور پر حاصل ہو سکتا ہے لیکن یہ بات یاد داشت کے طور پر ہے۔ نہ کہ یاد داشت کی حقیقت۔ ہو سکتا ہے۔ کہ بزرگوں نے جسے بدایت میں نہایت فرمایا ہے۔ اس سے مراد یہی یاد داشت ہو لیکن یاد داشت کی حقیقت اسیوقت حاصل ہوتی ہے جب نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہو سکے۔ اگر ان کی مراد ذات حق کے مرتبہ وجوب سے ہو۔ کیونکہ ذات اس مرتبہ میں صفات وجوبیہ کی جامع ہے۔ تو پھر تمام مراتب امکانی طے کرنے کے بعد اس مرتبہ کے شہود میں پہنچتے ہی یاد داشت حاصل ہو جاتی ہے تجلیات صفاتی میں بھی یہ بات حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ اشارے میں صفات کا ملاحظہ حضور ذاتِ حق کا منافی نہیں ہوتا۔ اگر انکی مراد حضرت ذات تعالےٰ سے مرتبہ احدیت مجردہ ہو جو اسماء و صفات اور نسب و اعتبارات سے مُبّرا ہے۔ تو پھر اسمائے صفاتی نسبی اور اعتباری تمام مراتب طے کرنے کے بعد یاد داشت حاصل ہوتی ہے۔ میں نے جہاں کہیں یاد داشت کا بیان کیا ہے۔ اس سے مراد آخری معنے لئے ہیں۔ گو اس مرتبہ میں حضور کا اطلاق کچھ نا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارباب یاد داشت سے مخفی نہیں۔ کیونکہ وہ غیبت و حضور سے اعلےٰ وارفع ہے حضور کے اطلاق کے لئے کسی ایک صنعت کا ملاحظہ درکار ہے۔ جو کچھ لفظ حضور کے مناسب ہے یاد داشت کی تفسیر دوسرے معنوں میں ہے۔ اس لحاظ سے یاد داشت کو نہایت کہنا باعتبار شہود و حضور ہے۔ کہ اس مرتبہ کے آگے شہود و حضور کی گنجائش نہیں۔ وہاں یا حیرت ہے یا جہل یا معرفت لیکن وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت جانتے ہو۔ کیونکہ جسے تم معرفت خیال کرتے ہو۔ وہ افعالی و صفاتی معرفت ہے۔ اور یہ مقام اسماء و صفات سے بدرجہا اوپر ہے وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْاَطْہَرِ

منہا۔ یہ راستہ طے کرنا۔ اور نہایت النہایت پر پہنچنا دس مقامات مشہورہ کے

طے کرنے سے وابستہ ہے۔ جن میں سے پہلا توبہ ہے۔ اور آخری رضا۔ مراتب کمال میں کوئی مرتبہ و مقام مقام رضا سے بڑھ کر نہیں حتٰے کہ آخرت میں رویت الٰہی بھی اُسکا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مقام رضا کی اصلی حقیقت پورے طور پر آخرت میں ظاہر ہو گی۔ باقی مقامات آخرت میں میسر نہیں ہو سکتے۔ توبہ کے وہاں کچھ معنی نہیں زہد کی وہاں گنجائش نہیں۔ توکل ہو نہیں سکتا۔ صبر کا احتمال نہیں۔ ہاں شکر وہاں میسر ہو سکتا ہے لیکن وہ شکر بھی رضا کی ایک شاخ ہے۔ رضا سے علیحدہ نہیں۔ اگر یہ پوچھیں کہ کبھی کامل و مکمل میں دنیاوی رغبت پائی جاتی ہے اور بعض ایسی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جو توکل کی منافی ہیں۔ اور بے طاقتی جو منافی صبر ہے ظاہر ہوتی ہے اور کراہت جو رضا کی ضد ہے پائی جاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ان مقامات کا حاصل ہونا قلب و روح سے مخصوص ہے۔ خاص الخاص کو یہ مقامات نفس مطمئنہ میں بھی حاصل ہو جاتے ہیں لیکن قالب اسات سے محروم و بے نصیب ہے۔ اگرچہ جسم تیزی اور قوت کی وجہ سے مقتضی ہوتا ہے۔ ایک شخص نے شیخ شبلی علیہ الرحمتہ سے پوچھا۔ کہ آپ محبت کا دعوے کرتے ہیں لیکن آپ کا موٹاپا منافی محبت ہے۔ آپنے جواب میں یہ شعر پڑھا ؎

اَحَبَّ قَلْبِیْ وَمَا دَرٰی بَدَنِیْ ۔۔۔ وَلَوْ دَرٰی مَا اَقَامَ فِی السِّمَنِ

محبوب حقیقی سے میرے دل نے محبت کی۔ میرے بدن کو وہ معلوم نہ ہوا۔ اگر وہ بھی جانتا تو اتنا موٹا نہ ہو جاتا۔

پس اگر کوئی ایسی بات جو مقامات مذکورہ کی منافی ہو۔ کسی کامل کے قالب میں ظاہر ہو۔ تو وہ ضرر نہیں دے سکتی۔ تو وہ اس بزرگ کے باطن کے لئے ان مقامات کے حصول میں حارج نہیں ہو سکتی۔ غیر کامل میں ان مقامات کے نقائص پورے طور پر ظاہر و باطن میں ظہور کرتے ہیں۔ اسلئے وہ ظاہر و باطن میں دنیا کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور صورت و حقیقت میں منافی توکل ہوتا ہے اس قلب و قالب میں بے طاقتی اور گھبراہٹ ظاہر ہوتی ہے روح اور بدن میں کراہت کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی باتیں ہیں جنہیں حقتعالے نے اپنے اولیاء کا پردہ بنایا ہے اور انہیں باتوں کی وجہ سے اکثر لوگ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم رہتے ہیں اولیاء اللہ میں جو یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ حق و باطل میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ جو اس دنیا کی لازم بات ہے جو امتحان کا مقام ہے۔ دوسری حکمت اسمیں یہ

ہے کہ یہ اُنکے لئے ترقی کا باعث ہے اگر اولیا اللہ سے یہ باتیں بالکل مفقود ہو جائیں۔ تو ان کی ترقی مسدود ہو جائے۔ اور فرشتوں کی طرح مفید رہ جائیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا

منہا۔ الٰہی! یہ کیا بات ہے کہ تونے اپنے اولیا کے باطن کو آبِ حیات بنا رکھا ہے۔ کہ جس نے ایک قطرہ چکھا۔ اُسے حیاتِ ابدی نصیب ہو گئی۔ اور انکے ظاہر کو زہرِ قاتل بنا رکھا ہے کہ جس نے اس کی دیکھا۔ وہ ابدی موت میں گرفتار ہُوا۔ یہ ایسے لوگ ہیں۔ کہ ان کا باطن رحمت اور انکا ظاہر زحمت ہے۔ اُنکے باطن کو دیکھنے والا انہیں میں سے ہے اور اُن کے ظاہر کو دیکھنے والا بدکیش ہے بظاہر جو ہیں اور بحقیقت گیہوں بظاہر عوام بشر ہیں اور بہ باطن خواص ملک۔ ظاہر میں زمین پر ہیں اور حقیقت میں آسمان پر۔ ان کا ہم نشین بدبختی سے بچا ہوا ہے۔ اور ان کا غمخوار سعادت مند ہے یہ لوگ گروہ الٰہی ہیں اور یہی لوگ اہل نجات و فلاح ہیں۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

منہا۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے اپنے اولیا کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے۔ کہ اُنکے ظاہر کو بھی اُنکے باطنی کمالات کی خبر نہیں۔ چہ جائیکہ غیر اُن سے واقف ہوں۔ ان کے باطن کو جو نسبت بے چونی و بے چگونی کے مرتبہ سے حاصل ہے۔ وہ بھی بیچون ہے۔ ان کا باطن چونکہ عالم امر سے ہے۔ اسواسطے بیچونی سے انہیں بھی حصہ حاصل ہے اور ظاہر جو سراسر چوُن ہے ان کے باطن سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ بسبب نہایت جہالت اور عدم مناسبت اس نسبت کے نفس حصول سے بھی انکار کرے۔ ہو سکتا ہے کہ حصول نسبت کے نفس کو جانے لیکن یہ نہ جانے کہ اس کا متعلق کون ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے۔ کہ اُسکے حقیقی متعلق کی نفی کرتا ہے اور یہ ساری باتیں اس واسطے ہیں کہ یہ نسبت بہت اعلےٰ ہے اور ظاہر بہت ادنے ہے خود باطن اس نسبت کا مغلوب ہوتا ہے اور دید و دانش سے گیا گذرا ہوتا ہے اِسے کیا معلوم کہ کون رکھتا ہے اور کس سے رکھتا ہے اسواسطے معرفت سے عجز کے سوا اور کوئی معرفت کی راہ نہیں یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ معلوم کرنے سے عاجز آنا ہی معلوم کرنا ہے۔ ادراک کے نفس سے مراد وہ نسبت خاصہ ہے کہ جسکے ادراک سے عجز سے لازم ہے۔ کیونکہ صاحب ادراک مغلوب ہوتا ہے نہ اسے ادراک معلوم ہوتا ہے

نہ غیر۔ اور نہ اُسے حال کی خبر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

منہا۔ ایک شخص صوفیوں کے لباس میں رہ کر بدعت اعتقادی میں مبتلا تھا مجھے اُسکے حق میں تردد تھا۔ اتفاقاً کیا دیکھتا ہوں کہ تمام انبیاء علیہم الصلوات جمع ہیں اور متفق ہو کر اس شخص کے حق میں فرماتے ہیں کہ وہ ہم سے نہیں اسی اثناء میں مجھے ایک اور شخص کا بھی خیال آیا جس کے بارے میں مَیں متردد تھا۔ اس کے بارے میں تمام نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے ہے اللہ تعالےٰ انبیا کے طعن اور اُن کے حق میں بد اعتقاد ہونے سے بچائے۔

منہا۔ مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ قرآن شریف میں جو قرب معیت اور احاطۂ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے الفاظ آتے ہیں۔ یہ متشابہات قرآنی ہیں۔ جیسے ہاتھ اور چہرہ وغیرہ۔ اسی طرح لفظ اول و آخر ظاہر او باطن وغیرہ گو ہم اللہ تعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن قرب کے معنے نہیں جانتے کہ قرب کیا ہے اسی طرح ہم اسے اول کہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اول سے مراد کیا ہے قرب و اولیت کے جو معنی ہمارے علم و فہم میں آتے ہیں اللہ تعالےٰ اُن سے منزہ و برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف و شہود میں آسکتا ہے اللہ تعالےٰ اُس سے پاک ہے اللہ تعالےٰ کا قرب و معیت جو بعض صوفیا نے بطریق کشف دریافت کیا ہے۔ اور ان کشفی معنوں کے لحاظ سے اللہ تعالےٰ کو قریب و مع جانتے ہیں۔ ٹھیک نہیں بلکہ وہ مذہب مجسمہ میں قدم رکھتے ہیں بعض علما نے جو اس کی تاویل کی ہے اور قرب سے مراد علمی قرب لی ہے یہ ایسی ہے۔ جیسے ید کی تاویل قدرت و وجہ سے کریں گو یہ مجوزان تاویل کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن ہم تاویل کو جائز قرار نہیں دیتے اس کی تاویل علم حق کے حوالے کرتے ہیں اسکا علم اللہ تعالےٰ ہی کو حاصل ہے وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

منہا۔ میں وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کیا کرتا تھا۔ اور کبھی پچھلے حصے میں ایک رات مجھ پر ظاہر کیا کہ تاخیر کی صورت میں ادائے وتر کی نیت سے جو نمازی سو جاتا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں ادا کروں گا تو کراماً کاتبین رات بھر وتر ادا کرنے تک اس کی نیکیاں درج کرتے رہتے ہیں۔ پس وتر کو جتنی دیر سے ادا کریں۔ اتنا ہی اچھا ہے باوجود اس بات کے مجھے وتر کی تعجیل و تاخیر سے سوائے متابعت نبوی کے اور کچھ مقصود نہیں میں کسی فضیلت کو متابعت نبوی کے برابر نہیں سمجھتا۔ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کرتے تھے اور کبھی آخری حصے میں۔ میں اپنی

سعادت اِسیاست میں جانتا ہوں کہ کسی کام میں آں حضرت صلعم سے تشبیہ حاصل کردں۔ اگرچہ وہ تشبیہ بحسبِ صورت ہی ہو۔ لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری کی نیت کرتے ہیں اور اور باتوں کو دخل دیتے ہیں مجھے اُنکی کوتہ اندیشی پر تعجب آتا ہے۔ ہم تو جو بھر متابعت کے بدلے ہزار شب بیداری کو بھی نہ خریدیں جب ہم ماہ رمضان کے آخری دس دنوں میں معتکف ہوئے تو یاروں کو بلا کر کہا کہ سوائے متابعت اور کچھ نیت نہ کرنا۔ کیونکہ ہماری قطع تعلقی کچھ وقعت نہیں رکھتی ہم ایک متابعت کو سو گرفتاری سے قبول کرتے ہیں لیکن غیر متابعت سے ہزار قطع تعلق کو بھی قبول نہیں کرتے ہے

آں راکہ درسرائے نگاریست فارغست   از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

اللہ تعالےٰ جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہمارے نصیب کرے

منہا۔ ایک دفعہ میں چند درویشوں سمیت بیٹھا تھا میں نے اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو مجھے جناب سرورِ کائنات سے ہے کہا کہ آنحضرت صلعم کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حقتعالےٰ کو صرف اسواسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمد کا رب ہے حاضرین یہ سن کر حیران رہ گئے لیکن مخالفت نہ کرسکتے تھے یہ بات رابعہ بصری علیہا الرحمتہ کی بات کا بالکل نقیض ہے کہ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خواب میں عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ کی مُحبّت مجھ پر اسدرجہ غالب ہے کہ آپ کی محبت کی گنجائش نہیں رہی۔ یہ دونو باتیں سُکر سے ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے مگر رابعہ نے محض ستی کی حالت میں کہی ہے۔ اور میں نے ہوش کے آغاز میں۔ اس کی بات صفات کے مرتبہ کے متعلق ہے اور میرے مرتبہ ذات سے رجوع کرنے کے بعد کی اسواسطے کہ مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں۔ تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں وہاں پر سر بسر یا حیرت ہے یا جہل۔ بلکہ اسمرتبہ میں بڑے ذوق سے محبت کی نفی کرتا ہے۔ اور کسی طرح سے بھی اپنے آپ کو اسکی محبت کے لائق نہیں جانتا۔ محبت اور معرفت صرف صفات میں ہوتی ہے جسے محبت ذاتی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ذات احدیت نہیں۔ بلکہ ذات معہ بعض اعتباراتِ ذات ہے۔ پس رابعہؒ کی محبت مرتبہ صفات میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْھَرِ۔

منہا۔ علم کی شرافت معلوم کے شرف و رتبہ کے موافق ہوا کرتی ہے معلوم جسقدر شریف ہوگا علم اسی قدر عالی ہوگا پس باطنی علم جس سے صوفیا ممتاز ہیں۔ ظاہری علم سے جو علمائے ظاہر کے نصیب ہے اشرف ہے جسطرح کہ علم ظاہری علم حجامت و کپڑا بننے سے اشرف ہے پس پیر کے آداب کا ملحوظ رکھنا جس سے علم باطن اخذ کیا ہو۔ علم ظاہری کے اُستاد کے آداب ملحوظ رکھنے سے بدرجہا زیادہ ہے اسی طرح ظاہری علم کے اُستاد کا ادب حجام اور جولاہے سے بدرجہا زیادہ کرنا چاہیئے یہی فرق ظاہری علوم میں باہمی ہے چنانچہ صرف و نحو کے اُستاد سے علم کلام اور فقہ کا اُستاد افضل ہے اور علوم فلسفی کے اُستاد سے صرف و نحو کا اُستاد افضل ہے کیونکہ علوم فلسفی معتبر علوم میں داخل نہیں اسواسطے کہ ان کے اکثر مسائل بیہودہ و بیحاصل ہیں اور جو تھوڑے مسائل اسلامی کتابوں سے اخذ کئے ہیں اُن میں بھی ایسے تصرفات کئے ہیں جو جہل مرکب سے خالی نہیں عقل میں انکی بو تک نہیں ہوتی کا طور اور ہے اور عقل نظری کا اور۔ واضح رہے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق سے فائق ہیں بلکہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کے حقوق کو چھوڑ کر دوسرے حقوق کو پیر کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں بلکہ سب کے حقیقی پیر جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ظاہری ولادت اگرچہ والدین سے ہوتی ہے لیکن معنوی پیدائش پیر سے مخصوص ہے ظاہری ولادت کی زندگی چندروزہ ہوتی ہے اور حقیقی ولادت کی زندگی ابدی ہوتی ہے مرید کی باطنی پلیدی کو صاف کرنے والا پیر ہی ہے جو اپنے قلب و روح سے مرید کے باطن کی پلیدی کو صاف کرتا ہے اور اُسکے معدے کو پاکیزہ بناتا ہے بعض طالبوں کو جب توجہ دی جاتی ہے تو واقعی محسوس ہوتا ہے کہ انکی باطنی نجاستوں کو صاف کرتے ہوئے صاحب توجہ پر بھی آلودگی اثر کرتی ہے اور دیر تک مکدر رکھتی ہے پیر ہی کے وسیلے انسان خدا رسیدہ ہوتا ہے یہ خدا رسیدگی تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے افضل ہے پیر ہی کے وسیلے نفس امارہ جو بالذات خبیث ہے پاکیزہ ہوجاتا ہے اور امارگی کو چھوڑ اطمینان حاصل کرتا ہے اور ذاتی کفر ترک کرکے حقیقی اسلام اختیار کرتا ہے مصرعہ گر بگویم شرح این بیحد شود پس اپنی سعادت پیر کی قبولیت میں خیال کرنی چاہیئے۔ اور اپنی بدبختی اُسکے رد کرنے میں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِکَ رضائے حق رضائے پیر کے پردہ پیچھے رکھی ہوئی ہے جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی مرضیات میں گم نہیں کرتا حق تعالےٰ کی

مرضیات تک نہیں پہنچتا۔ مرید کی آفت پیر کو ناراض کرنے میں ہے اُسکے بغیر جو خواری ہے اسکا تدارک ہو سکتا ہے لیکن پیر کی ناراضگی کا تدارک ناممکن ہے پیر کی ناراضگی مرید کے لئے بدبختی کی جڑ ہے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذَالِکَ اس ناراضگی سے اسلامی معتقدات میں خلل اور احکام شرعی کے بجالانے میں فتور آجاتا ہے باطنی احوال و مواجید کا تو کچھ پوچھو ہی نہیں اگر پیر کو ستانے کے بعد بھی احوال کا کچھ اثر رہے تو اُسے استدراج سمجھنا چاہئے کیونکہ آخر اُسکا نتیجہ خراب ہوتا ہے سوائے نقصان کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

منہا۔ قلب عالم امر سے ہے اُسے عالم خلق سے تعلق اور تعشق دیکر عالم خلق سے نیچے لایا گیا اور گوشت کے ٹکڑے سے جو بائیں طرف ہے۔ خاص تعلق بخشا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کسی خاکروب پر عاشق ہو۔ اور اس کے سبب سے اس خاکروب کے گھر رہے اور روح جو قلب سے زیادہ لطیف ہے۔ اصحاب یمین سے ہے اور تین لطیفوں سے جو لطیفہ روح سے اوپر ہیں خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کے شرف سے مشرف ہیں جتنے زیادہ لطیف ہیں اُتنے ہی وسط سے زیادہ مناسب ہیں صرف اتنی بات ہے کہ سر او خفی اخفی کے دونو طرف ہیں ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف نفس جو اس کا مجاور ہے اُسکا تعلق دماغ سے ہے قلب کو ترقی اسوقت ہوتی ہے جب وہ مقام روح اور اُسکے اوپر کے مقام میں پہنچتا ہے اسی طرح روح اور اُسکے مافوق کی ترقی اُنسے بالائی مقامات سے وابستہ ہے لیکن ابتدا میں یہ وصول بطریق احوال ہوتا ہے اور انتہا میں بطریق تمام۔ نفس کو اُسیوقت ترقی ہوتی ہے جب وہ مقام قلب میں ابتدا میں بطریق احوال اور انتہا میں بطریق مقام پہنچ جائے آخرکار یہ چھ لطائف مقام اخفی میں پہنچ جاتے ہیں اور تمام ملکر عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کا قصد کرتے ہیں۔ اور لطیفہ قلب کو خالی چھوڑ جاتے ہیں لیکن یہ پرواز بھی ابتدا میں بطریق احوال ہوتا ہے۔ اور انتہا میں بطریق مقام دُرِح حاصل ہوتی ہے مرنے سے پہلے جس موت کی بابت کہا ہے اس سے مراد قلب سے انہیں چھ لطائف کی جدائی ہے قالب میں اُنکی مفارقت کے بعد بھی حس و حرکت رہتی ہے اسبات کا بیان اور جگہ لکھا گیا ہے وہاں سے مطالعہ کرنا چاہئے اِسکتاب میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں اس کتاب میں صرف اشارتاً اور کنایتاً باتیں درج ہیں یہ ضروری نہیں کہ تمام لطائف ایک مقام میں جمع ہو کر وہاں

سے پرواز کریں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قلب اور روح دونو متفق ہو کر یہ کام کرتے ہیں کبھی تین کبھی چار ملکر یہ کام کرتے ہیں لیکن جب چھ ملکر پرواز کریں تو یہ نہایت اعلےٰ و اکمل درجہ ہے اور ولایت محمدی سے مخصوص ہے اُسکے سوا جو ہے وہ ولایت کی ایک قسم ہے اگر وہ چھ لطائف قالب سے جدا ہونے کے بعد مقام وصول میں پہنچکر اُسکے رنگ سے رنگے جائیں اور پھر قالب میں لوٹ آئیں اور حُبی تعلق کے سوا اور کوئی تعلق پیدا کریں قالب کا حکم پیدا کریں ملنے کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کریں اور بطور مردہ ہو جائیں تو اُسوقت خاص تجلی سے متجلی ہو جاتے ہیں۔ از سر نو زندگی پیدا کر کے مقام بقا باللہ حاصل کرتے ہیں اور اخلاق الٰہی سے متحقق ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر وہ خلعت بخشکر پھر عالم میں بھیجے جائیں تو معاملہ نزدیک سے دُور جا پڑتا ہے اور مقدمہ تکمیل پیدا ہوتا ہے اگر پھر جہان میں نہ بھیجیں اور قرب کے بعد بُعد حاصل نہ ہو۔ تو وہ اولیائے عُزلت سے شمار ہوگا۔ اور اُسکے ہاتھ سے طالبوں کی تربیت اور ناقصوں کی تکمیل نہ ہوگی۔ یہ ہے کہانی بدایت و نہایت کی بطریق رمز و اشارہ لیکن اُسکا سمجھنا بغیر ان منزلوں کو طے کئے محال ہے وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ٭

منہا۔ حضرت حق سبحانہٗ تعالےٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے اس کلام کے اجزا نہیں ہیں کیونکہ حقتعالیٰ کے حق میں خاموشی یا گونگاپن کا ہونا محال ہے کوئی عجب نہیں کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی ساعت ہو۔ کیونکہ وہاں زمانے کا دخل نہیں ایک گھڑی میں سوائے کلام واحد و بسیط کے اور کیا وقوع میں آسکتا ہے۔ اسی کلام واحد سے کئی قسم کے کلام پیدا ہوتے ہیں جو بلحاظ تعلقات مختلف قسم کے ہیں۔ مثلاً اگر مامور کے متعلق ہے تو امر پیدا ہوا ہے اور اگر رکاوٹ کے متعلق ہے تو نہی نام پایا ہے۔ اگر رضا کے متعلق ہے تو خبر ہو گئی ہے آدم بر سر مطلب۔ ماضی و مستقبل کی خبر دینا بہتوں کو شک میں ڈالدیتا ہے دلالت کرنے والے کا تقدم و تاخر مدلول کے تقدم و تاخر کو ظاہر کرتا ہے۔ سو یہ کوئی شبہ نہیں کیونکہ ماضی و مستقبل دلالت کرنے والوں کی مخصوصہ صفات ہیں۔ جو اسی گھڑی کے انبساط کے لحاظ سے پیدا ہوئی ہیں جب مرتبہ مدلول میں وہ گھڑی اپنی اصلی

حالت پر ہے۔ اور کسی قسم کا انبساط اس میں نہیں آیا۔ تو پھر ماضی و مستقبل کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔ ارباب معقول نے کہا ہے کہ ایک ہی ماہیت کے لئے بلحاظ وجودِ خارجی لوازمات علیحدہ ہیں۔ اور بلحاظ وجودِ ذہنی صفات جدا ہیں جب کہ ایک ہی شے میں صفات و لوازمات کا فرق بلحاظ وجود و ہویت کے تغائر کے جائز ہے تو دال و مدلول میں جو فی الحقیقت ایک دوسرے سے جدا ہیں بطریق اولیٰ جائز ہے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی گھڑی ہے یہ عبارت کی تنگی کی وجہ سے کہا گیا ہے ورنہ وہاں تو اس کی بھی گنجائش نہیں۔ وہ بھی زمانے کی طرح یہاں ثقیل ہے۔

واضح رہے۔ کہ جو ممکن مقاماتِ قربِ الٰہی میں دائرہ امکان سے قدم باہر رکھتا ہے وہ ازل و ابد کو ملا ہوا پاتا ہے جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج مقاماتِ عروج میں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پایا۔ اور نوح علیہ السلام کے طوفان کو موجود اہل بہشت کو بہشت میں دیکھا۔ اور اہل دوزخ کو دوزخ میں۔ پانسو سال بعد جو آدھے دن کے برابر ہے بہشت میں داخل ہونے کے بعد ایک غنی صحابی عبد الرحمٰن بن عوف کو بہشت میں آتے ہوئے دیکھ کر آنحضرت صلعم نے اُس سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی۔ تو اُس نے اپنے دشوار گذار راستوں کا ذکر کیا۔ یہ سب کچھ ایک گھڑی میں مشہود ہوا۔ اُس میں ماضی و مستقبل کی گنجائش نہ تھی۔ مجھ پر بھی حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے ایک وقت یہ حالت طاری ہوئی تھی میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں اور ابھی انہوں نے سجدہ سے سر نہیں اُٹھائے کہ ملائکہ علیین کو اِن سجدہ کرنے والوں سے الگ دیکھا جنہیں سجدے کا حکم نہیں ہوا تھا وہ اپنے مشہود میں مستغرق تھے اور جن حالات کے آخرت میں گذرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی اسی گھڑی میں دکھائی دیئے چونکہ اس واقعہ کو مدت گذر چکی ہے اس واسطے احوال آخرت کو مفصل بیان نہیں کیا۔ کیونکہ مجھے اپنی قوت حافظہ پر پورا بھروسہ نہیں رہا۔ لیکن اتنا سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ یہ حالت آنحضرت صلعم کے وجود اور روح دونو پر طاری ہوئی تھی اور آپ نے بصارت و بصیرت دونو سے دیکھا۔ دوسرے جو طفیلی ہیں اُنپر اگر بطریق تبعیت یہ حالت طاری ہو۔ تو فقط روح پر ہو گی اور صرف بصیرت سے مشاہدہ کرینگے۔ ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے ؎

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکۡمَلُھَا۔

منہا۔ تکوین واجب الوجود کی ایک حقیقی صفت ہے۔ ابوالحسن اشعری کے پیرو تکوین کو ایک اضافی صفت جانتے ہیں جو اشیاء کو وجود میں لانے کے لئے قدرت اور ارادہ ہی کو کافی خیال کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ تکوین ایک الگ حقیقی صفت ہے جو قدرت اور ارادت کے علاوہ ہے۔ اسکا بیان یہ ہے کہ قدرت درحقیقت فعل و ترک کی صحت ہے اور ارادہ قدرت کے دونو پہلوؤں یعنی فعل و ترک کی تخصیص ہے پس قدرت کا مرتبہ ارادہ کے مرتبے سے مقدم ہے تکوین کا مرتبہ جسے ہم ایک حقیقی صفت خیال کرتے ہیں۔ قدرت و ارادت کے مرتبہ کے بعد ہے۔ اسکا کام طرف تخصیص شدہ کو وجود میں لانا ہے پس قدرت فعل کی مصحح ہے اور ارادت اس کی تخصیص کرنے والی اور تکوین اس کی موجد پس قدرت اور ارادت کے علاوہ تکوین بھی ضروری ہے۔ اس کی مثال استطاعت مع الفعل کی طرح ہے جسے اہل سنت کے علما نے بندوں میں ثابت کیا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ یہ استطاعت قدرت کے ثبوت کے بعد ہے۔ بلکہ ارادت کے متعلق اور ایجاد کی تحقیق کے بعد اسی استطاعت سے وابستہ ہے بلکہ وہ استطاعت ہی موجب فعل ہے۔ اور ترک کا پہلو وہاں مفقود ہے صفت تکوین کی بھی یہی حالت ہے کہ ایجاد اسکے ساتھ بطریق ایجاب ہے لیکن یہ ایجاب واجب تعالٰے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ قدرت کے حاصل ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے اصل میں قدرت ہی فعل و ترک کی صحت ہے نیز ارادہ کی تخصیص کے بعد تکوین ہے اور یہ بات حکمائے فلسفہ کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ پہلا شرطیہ (اگر چاہے تو پیدا کر سکتا ہے) واجب الصدق ہے اور دوسرا شرطیہ (اگر نہ چاہے۔ تو نہیں پیدا کرتا) ممتنع الصدق ہے۔ انہوں نے ارادت کی نفی کی ہے صریحاً ایجاب ہیں ہے اللہ تعالٰی اس سے بہت برتر ہے وہ ایجاب جو ارادت کے تعلق اور دونو مقدوروں میں سے ایک کی تخصیص کے بعد پیدا ہو۔ اسکے لئے اختیار لازمی امر ہے اس کی تاکید کرنے والا اختیار کا منافی نہیں۔ صاحب فتوحات یعنی شیخ محی الدین بن العربی قدس سرہٗ کا کشف بھی حکما کی رائے کے موافق واقع ہوا ہے یعنی قدرت میں پہلے شرطیہ کو واجب الصدق اور دوسرے شرطیہ کو ممتنع الصدق جانا ہے اور یہ جاننا ایجاب ہے ایسی صورت میں ارادہ فضول معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں فعل یا ترک کی تخصیص کوئی بھی نہیں۔ ہاں اگر تکوین میں اثبات

کو ثابت کریں۔ تو گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ ایجاب کی ملاوٹ سے مبرا ہیں۔ یہ فرق بہت ہی باریک ہے اسکے بیان کی جرأت و سبقت بہت کم اشخاص نے کی ہے۔ گو علمائے ماتریدیہ نے اس صفت کو ثابت کیا ہے لیکن اسقدر غور و خوض سے کام نہیں لیا سنت نبوی کی پیروی کے سبب وہ تمام متکلمین میں اس معرفت سے ممتاز ہیں یہ حقیر بھی انہی بزرگوں کا خوشہ چین ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے حبیب کے صدقے اُنکے معتقدات پر ثابت قدم رکھنا۔

منہا۔ اللہ تعالےٰ جل شانہ کی رویت آخرت میں مومنوں کو اللہ تعالےٰ کی رویت کا ہونا حق بات ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جسکو سوائے اہل سنت وجماعت کے کسی اسلامی فرقہ یا حکمائے فلسفہ نے جائز نہیں مانا۔ اُنکے انکار کا باعث حاضر پر غائب کا قیاس ہے اور ایسا قیاس بُرا ہے دکھائی دینے والی چیز جب بے مثل و بے مانند ہے تو اسکی متعلقہ رویت بھی بے مثل و بے مانند ہوگی۔ اُسپر ایمان لانا چاہیئے۔ اس کی کیفیتوں میں مشغول نہیں ہونا چاہیئے یہ بھید دنیا میں بھی خاص خاص اولیا پر ظاہر کیا گیا ہے اگرچہ اُسے رویت تو نہیں کہہ سکتے لیکن پھر بھی رویت ہی ہے گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ قیامت کے دن تمام مومن اُسے ظاہری آنکھوں سے دیکھ لیں گے لیکن اُنہیں ادراک نہ ہوگا۔ کیونکہ اُسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں صرف دو چیزیں دریافت کرینگے ایک علم یقینی کہ دیکھتے ہیں اور دوسرے حظ و لذت جو رویت سے حاصل ہوگا سوائے اِن دو چیزوں کے باقی تمام لوازمات دید مفقود ہونگے یہ مسئلہ علم عقاید کا نہایت ہی دقیق مسئلہ ہے عقل اُسکے اثبات و تصور میں عاجز ہے صرف انبیاء کے پیرو علمائے صوفیہ نے اُسے نورِ فراست سے جو انوار نبوت سے مقتبس ہے دریافت کیا ہے اسی طرح سے علم کلام کے اور مسائل کا حال ہے جن کے ثابت کرنے میں عقل عاجز و متحیر ہے علمائے اہل سنت کو صرف نور فراست حاصل ہے صوفیا کو نور فراست بھی ہے اور کشف و شہود بھی۔ کشف و فراست میں وہی فرق ہے جو بدیہی اور حسی میں ہے فراست نظریات جنکے لئے دلیل کی ضرورت ہے بدیہات بناتی ہے۔ اور کشف نظریات کو حسیات بناتا ہے اور جن مسائل کے اہلسنت قائل ہیں اور اُنکے مخالف جنکا دار و مدار صرف عقل پر ہے اُن مسائل کے منکر ہیں۔ وہ تمام مسائل اسی قسم کے ہیں جو نور فراست سے معلوم ہوتے ہیں اور کشف صحیح سے دیکھنے میں آتے ہیں مگر ان مسائل

کو واضح طور پر بیان کیا جائے تو اس سے مقصود تصویر و تنبیہ ہے نہ کہ نظر و دلیل سے انکا اثبات کیونکہ عقلی نظر انکے اثبات و تصویر میں اندھی ہے۔ مجھے ان علماء پر تعجب آتا ہے جو ان مسائل کو دلائل سے ثابت کرنا اور مخالفوں کیلئے حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ نہ ہی یہ اُن سے ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ اسے سرانجام دے سکتے ہیں اسواسطے مخالف خیال کرتے ہیں کہ اُنکے مسائل بھی اُنکے استدلالات کی طرح بودے وادھورے ہیں۔ مثلاً علمائے اہلسنت نے استطاعت مع الفعل کو ثابت کیا ہے۔ یہ مسئلہ ایک سچا مسئلہ ہے جو نور فراست اور کشف صحیح سے معلوم ہوتا ہے لیکن جو دلائل اُسکے ثبوت میں بیان کی ہیں وہ سراسر بودی اور نامکمل ہیں۔ اُنکی سب سے زبردست دلیل یہ ہے کہ جوہر کے مقابلہ میں عرض کو دو زمانوں میں عدم بقا ہے۔ کیونکہ اگر عرض باقی ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ عرض عرض سے قائم ہو اور یہ محال ہے چونکہ اِس دلیل کو مخالفوں نے بودی اور ادھوری خیال کیا ہے اسواسطے انکا یقین ہو گیا ہے کہ یہ مسئلہ بھی ادھورا ہے لیکن مخالفوں کو یہ معلوم نہیں کہ اہل سنت کا یہ اس مسئلہ اور اسی قسم کے اور مسائل میں نور فراست ہے جو انوار نبوت سے حاصل کیا گیا ہے لیکن یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم حدسی و بدیہی کو مخالفوں کی نظروں میں نظری بناتے ہیں اور تکلف سے اُسکے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آمدم برسر مطلب۔ ہماری حدسی و بدیہی مخالفوں کیلئے حجت نہیں۔ اور نہ بھی ہو۔ تو بھی مضائقہ نہیں۔ ہمارا کام صرف اطلاع دینا اور پہنچانا ہے جس میں مسلمانی کی علامات ہیں وہ خود بخود اختیار قبول کرے گا اور جو بے نصیب ہے۔ وہ انکار کرے گا علمائے اہلسنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کیا ہی عمدہ ہے۔ جنہوں نے صرف مقاصد پر اکتفا کی ہے اور فلسفی بدباطنیوں اور نکتہ چینیوں سے بالکل رُوگردانی کر لی ہے فلسفیوں کی طرح نظر و استدلال کا طریقہ علمائے اہل سُنت وجماعت میں شیخ ابوالحسن اشعری سے شروع ہوا ہے۔ اسکا یہ مدعا تھا کہ کسی طرح اہل سنت کے معتقدات کو فلسفی دلائل سے ثابت کرے ایسا کرنا مشکل ہے بلکہ ایک طرح سے مخالفوں کو اکابر دین پر طعن کرنے کی جرأت دلانا اور طریق سلف کو ترک کرنا ہے اللہ تعالٰے ہمیں ان اہل حق کے معتقدات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے جنہوں نے انوار نبوت عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا سے نور حاصل کیا ہے۔

منہا۔ میں اس آیۃ کریمہ "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کے مطابق اس نعمت

عظمیٰ کا اظہار کرتا ہوں۔ کہ مجھے علم کلام کے متعلقہ معتقدات کا یقین اہل سنت والجماعت کی رائے کے موافق عطا ہوا ہے اور یقین آگیا ہے کہ اُسکے مقابلے میں یقینی یقین بھی جو سب سے بہتر اور ظاہر تر بدیہیات کی نسبت حاصل ہوا ہے ظن بلکہ وہم معلوم ہوتا ہے مثلاً جب میں علم عقائد کے مسائل کے متعلق حاصل شدہ یقین کا مقابلہ اس یقین سے کرتا ہوں جو وجود آفتاب کی نسبت مجھے حاصل ہے اول الذکر کو موخر الذکر کی نسبت یقینی جانتا ہوں ارباب عقل خواہ اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں بلکہ بالضرور قبول نہیں کرینگے کیونکہ یہ بات عقل سے پرے ہے۔ ظاہر بین عقل کو اس مقام سے سوائے انکار کے اور کچھ حاصل نہیں اس معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ یقین دل کا کام ہے اور وہ یقین جو دل کو آفتاب کے وجود کی طرح حاصل ہوتا ہے وہ حواس خمسہ کے وسیلے سے ہوتا ہے جو بمنزلہ جاسوس ہیں اور جو یقین دل کو علم عقائد کے مسائل کے متعلق حاصل ہوا ہے اس میں ان حواس خمسہ میں سے کسی ایک کا بھی دخل نہیں بلکہ یہ یقین جناب باری سے بطریق الہام بلا واسطہ ہوا ہے۔ پس پہلا یقین بمنزلہ علم الیقین ہے اور دوسرا بمنزلہ عین الیقین۔ سو علم الیقین اور عین الیقین میں بڑا فرق ہے مصرعہ۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ ٭

منہا۔ جب محض فضل الٰہی سے طالب کا سینہ تمام مرادات سے خالی ہو جاتا ہے اور سوائے حق کے اور کوئی اُسے خواہش نہیں رہتی تو اسوقت وہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے جو اُسکے پیدا کرنے سے تھا۔ اور وہ حقیقی بندگی بجا لا چکتا ہے بعد ازاں اگر چاہتے ہیں تو اُسے ناقصوں کی تربیت کے لئے واپس کرتے ہیں۔ اور اپنے پاس سے اسے ارادہ عطا فرماتے ہیں۔ اور اختیار عنایت کرتے ہیں۔ جسکے سبب سے وہ قولی اور فعلی تصرفات میں مجاز و مختار ہوتا ہے۔ جیساکہ اذن دیا ہوا غلام۔ مقام تخلق باخلاق اللہ میں صاحب ارادہ جو کچھ چاہتا ہے دوسروں کے واسطے چاہتا ہے نہ کہ اپنے لئے اور دوسروں کی مصلحتیں اُسکے مد نظر ہوتی ہیں نہ کہ اپنے نفس کی جیساکہ واجب تعالےٰ کا حال ہے کہ جو کچھ کرتا ہے مخلوق کی خاطر کرتا ہے یہ نہ ضروری ہے اور نہ جائز کہ جو کچھ یہ صاحب ارادہ چاہے۔ ظہور میں آئے کیونکہ ایسا ہونا شرک ہے اور بندگی اس کی برداشت نہیں کر سکتی چنانچہ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا "اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ" جسے تو چاہے ہدایت نہیں کر سکتا۔ جسے اللہ تعالےٰ چاہے اُسے ہدایت

کرتا ہے جب آں حضرت صلعم کا ارادہ توقف میں پڑے۔ تو دوسرے نبی کیا ہستی ہے نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحب ارادہ کی تمام مرادیں مرضی حق کے مطابق ہوں اگر ایسا ہوتا۔ تو جناب باری سے آنحضرت صلعم پر اعتراض نازل نہ ہوتا۔ قولہ تعالیٰ ماکان للنبی الخ اور معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔ قولہ تعالےٰ "عفا اللہ عنک" اللہ تعالےٰ نے تجھے معاف کیا معافی ہمیشہ تقصیرات میں ہوتی ہے۔ تمام مرادات حق مرضیات حق نہیں مثلاً کفر گناہ ۔

منہا۔ اسکام میں میرا امام کلام اللہ اور میرا پیر قرآن مجید ہے اگر قرآن شریف کی ہدایت نہ ہوتی۔ تو حقیقی معبود کی عبادت کی راہ نہ کھلتی۔ اس راہ میں ہر ایک لطیف والطف افا اللہ پکار کر سالک راہ کو اپنی پرستش میں کرلیتا ہے اگر چوں ہے تو اپنے آپ کو بیچوں ظاہر کرتا ہے اگر تشبیہ ہے تو تنزیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے یہاں امکان اور وجوب آپس میں خلط ملط ہیں اور حدوث و قدم گڈمڈ۔ اگر باطل ہے تو حق کی صورت میں ظاہر ہے اگر گمراہی ہے تو ہدایت کی شکل میں نمودار ہے بیچارہ سالک اندھے مسافر کی طرح ہر کہ ہر ایک کو "ھذا ربی" یہی میرا پروردگار ہے۔ لکھتا آتا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے آپ کو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور مشرق مغرب کا پروردگار بتاتا ہے جب مجھے عروج کے وقت یہ خیالی معبود پیش کئے گئے تو میں نے سب سے انکار کیا اور سب زائل ہوگئے اسواسطے میں نے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ میں غروب و زائل ہونیوالوں سے پیار نہیں کرتا۔ کہتے ہوئے سب سے منہ پھیرا اور سوائے ذات واجب الوجود کے اور کسی کو قبلہ توجہ نہ بنایا۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اسبات کی ہدایت کی اگر اللہ تعالےٰ ہمیں ہدایت نہ کرتا۔ تو کبھی سیدھی راہ پر نہ آتے ہمارے پروردگار کے رسول سب سچے ہیں جو کچھ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے لائے ہیں بالکل سچ اور حق ہے ۔

منہا۔ ہم چار شخص اپنے خواجہ صاحب کی ملازمت میں باقی تمام یاروں سے ممتاز تھے۔ ہم چاروں کا اعتقاد خواجہ صاحب کی نسبت الگ الگ تھا۔ اور ہمارا معاملہ بھی ایک دوسرے سے نرالا تھا۔ میرا یہ یقین تھا۔ کہ اس قسم کی صحبت و اجتماع او راس طرح کی تربیت اور ارشاد جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد کبھی میسر نہیں ہوئی اس نعمت کا شکر بجالایا کرتا تھا۔ کہ گو مجھے جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف تو حاصل نہیں ہوا لیکن اس صحبت کی سعادت سے محروم

نہیں رہا۔ ہمارے خواجہ صاحب نے باقی تین کے احوال کی نسبت یوں فرمایا۔ کہ فلاں شخص مجھے صاحب تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد خیال نہیں کرتا۔ اُسکے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل کے مرتبے سے زیادہ ہے دوسرے کی نسبت فرمایا کہ اسکا ہم سے کچھ سروکار نہیں تیسرے کی نسبت فرمایا۔ کہ وہ ہمارا مُنکر ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا۔ واضح رہے کہ مرید کو اپنے پیر سے جو محبت ہوتی ہے اور فائدہ اُٹھانے اور پہنچانے کے سبب کی مناسبت کا نتیجہ پیر کو افضل اور اکمل جانتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ پیر کو ان لوگوں سے افضل نہ جانے جن کی فضیلت شرع میں مقرر ہے کیونکہ ایسا کرنا افراط میں داخل ہے اور یہ اچھا نہیں شیعہ لوگونکو خرابی محض اہل بیت کی محبت کی افراط سے ہوئی ہے۔ اور عیسائیونکو حضرت عیسےٰ علیہ اسلام کی افراط محبت سے۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اسی واسطے ابدی نقصان میں مبتلا ہیں لیکن اگر اُنکے سوا فضیلت دے تو جائز ہے بلکہ طریقت میں واجب ہے یہ فضیلت دینا مرید کے اختیار میں نہیں۔ بلکہ اگر مرید سعادت مند ہے تو خود بخود بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور اسکے وسیلے پیر کے کمالات کو حاصل کرتا ہے اگر یہ فضیلت دینا مرید اپنے اختیار اور تکلف سے پیدا کرے تو جائز نہیں اور نہ اسکا کچھ نتیجہ برآمد ہوتا ہے ◆

منہا۔ نفی و اثبات میں اعلےٰ درجہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے کلمہ طیبہ میں یہ ہے کہ جو کچھ دید و دانش اور کشف شہود میں آئے خواہ وہ محض تنزیہ و بیکیف ہو سب کچھ لا کی تحت میں داخل ہو اور اثبات کی جانب میں سوائے اللہ کہنے کے جو دل کی موافقت سے کہا جائے اور کچھ نصیب نہ ہو ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چین ◆ کانیجا ہمیشہ باد بدست است دام را

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔

منہا۔ قرآنی حقیقت اور کعبہ ربانی کی حقیقت دونو حقیقت محمدی سے اوپر ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآنی حقیقت حقیقت محمدی کی امام اور کعبہ ربانی کی حقیقت حقیقت محمدی کا مسجود ہے باوجود اسبات کے کعبہ ربانی کی حقیقت قرآنی حقیقت سے بڑھکر ہے وہاں سرلسبر بے صفتی اور بے رنگی ہے اور شیون و اعتبارات کی وہاں

گنجائش نہیں تنزیہ و تقدیس کی وہاں مجال نہیں مصرعہ۔ آنجا ہمہ آنست کہ برتر زبیان است۔ یہ ایسی معرفت ہے جسکے بارے میں کسی اہل اللہ نے لب کشائی نہیں کی اور رمز و اشارے کے طور پر بھی اُسکے متعلق بات نہیں کی ــ مجھے اس معرفت عظمےٰ سے مشرف کیا ہے اور ابنائے جنس میں ممتاز فرمایا ہے یہ سب کچھ حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے ــ مجھے نصیب ہوا ہے۔

واضح رہے کہ جس طرح چیزوں کی صورتوں کا مسجود کعبہ کی صورت ہے۔ اسی طرح ان اشیا کے حقایق کا مسجود حقیقت کعبہ ہے۔ میں ایسی عجیب بات بیان کرتا ہوں۔ جسے نہ کسی نے کہا نہ سُنا۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے اس کی خبر دی اسوا سطے میں لوگونکو اس سے آگاہ کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ اُسکے فضل و کرم سے ہے۔ کہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے کچھ اوپر ہزار سال بعد ایسا زمانہ آرہا ہے۔ کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے مل کر ایک ہو جائے اسوقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو اور وہ ذات احد کا مظہر بنے اور دونو مبارک نام مسمیٰ کو حاصل ہوں۔ اور پہلا مقام حقیقت محمدی سے خالی ہو جائے۔ جب تک حضرت عیسےٰ علیہ السلام نزول فرمائیں۔ اور شریعت محمدی پر عمل کریں۔ اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقت محمدی کے خالی شدہ مقام میں قرار کرے گی ؎

منہا۔ اگر کلمۂ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ ہوتا۔ تو جناب باری کی راہ کون دکھاتا۔ اور توحید کے چہرہ پر سے نقاب کون اُٹھاتا۔ اور جنت کے دروازے کون کھولتا۔ بکثرت صفات بشریت اس لا کے کدال سے اکھڑی جاتی ہیں۔ اور بے شمار تعلقات اس نفی کے تکرار کی برکت سے دور ہوتے ہیں۔ اس کلمہ کی نفی باطل معبودوں کو مات کرتی ہے اور اس کلمہ کا اثبات معبود حقیقی کو ثابت کرتا ہے۔ سالک اس کی مدد سے امکانی مدارج طے کرتا ہے۔ اور عارف انکی برکت سے وجوبی معارج پر چڑھتا ہے یہ کلمہ طیبہ ہی ہے جو تجلیات افعال سے تجلیات صفات میں پہنچاتا ہے۔ اور پھر تجلیات صفات سے تجلیات ذات تک لے جاتا ہے ــ

تا بجاروب لا نروبی راہ ــــ نرسی در سرائے الا اللہ

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

منہا۔ مخدومی شیخ شرف الدین منیری اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ معوذتین کو نماز میں نہیں پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونو سورتوں کی قرآنیت میں جمہور کے مخالف ہیں پس ان دونو سورتوں کی قرائت کو فرض قطعی میں شمار نہیں کرنا چاہئے۔ میں بھی نہیں پڑھتا تھا حتےٰ کہ ایک روز اس فقیر پر ظاہر کیا گیا۔ کہ گویا معوذتین موجود ہیں۔ اور مخدوم شرف الدین کی شکایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے فرض میں ان کی قرائت کو کیوں ترک کیا گویا ہمیں قرآن شریف سے نکالا ہے تب سے میں نے ان کا پڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ نماز فریضہ میں پڑھنے لگا جب ان دونو سورتوں کو نماز فریضہ میں پڑھتا ہوں۔ تو عجیب وغریب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں واقعی جب علم شریعت کی طرف رجوع کیا جائے تو ان دو سورتوں کو نماز فریضہ میں نہ پڑھنے کے لئے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس متفق علیہ حکم کی قطعیت میں شبہ ڈالنا ہے۔ کہ جو کچھ دفتین کے اندر ہے وہ قرآن ہے جب سورۃ فاتحہ سے سورۃ کا ملانا واجب ہے پس دونو سورتوں کا پڑھنا خواہ وہ بالفرض محال خواہ ظنی ہی ہوں۔ کوئی وجہ نہیں کہ انہیں فاتحہ کے ساتھ ملا کر نہ پڑھا جائے مجھے تو شیخ منیری کے اس کلام پر سخت تعجب آتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَآلِہِ الْاَطْہَرِ۔

منہا۔ اسبات کی کوشش کرنی چاہئے۔ کہ سنت نبوی کے موافق عمل حاصل ہو اور بدعت سے بچاؤ خاصکر ایسی بدعت سے جس سے سنت رفع ہوتی ہو جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا فَھُوَ رَدٌّ۔" جو نئی بات اس دین میں نکالی جاتی ہو وہ رد ہے ان لوگوں پر مجھے تعجب آتا ہے کہ دین میں حالانکہ وہ مکمل اور پورا ہے نئی شاخیں نکالتے ہیں اور ان سے دین متین کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسبات سے نہیں ڈرتے کہ کہیں ان بدعتوں سے سنت رفع نہ ہو جائے مثلاً شملہ دونوں کندھوں کے بیچ رکھنا سنت ہے لیکن بہت سوں نے شملے کو بائیں طرف لٹکانا اختیار کیا ہے اس عمل سے سے وہ مردوں سے مشابہت پیدا کرنی چاہتے ہیں بہت سے لوگوں نے اس معاملہ میں انکی پیروی کی ہے یہ فعل سنت سے بدعت ہیں اور بدعت سے حرمت تک پہنچاتا ہے کیا جناب سرور کائنات سے مشابہ ہونا اچھا ہے یا مردوں سے۔ جناب سرور کائنات ہی مرنے سے پہلے موت سے مشرف ہوئے ہیں اگر مردے ہی سے تشبیہ درکار ہو تو آں حضرت صلعم سے کرو۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ مردے کو عمامہ پہنانا ہی بدعت ہے

چہ جائے کہ شملہ چھوڑا جائے بعض متاخرین نے جو عالم کی میت کے لئے عمامہ کو جائز قرار دیا ہے۔ میری رائے میں زیادتی ہے اور زیادتی نسخ اور نسخ عین رفع۔ اللہ تعالےٰ ہمیں متابعت سنت نبوی پر ثابت قدم رکھے اور آمین کہنے والے بندے پر رحم کرے +

منہا۔ صوفیوں کے طریق بلکہ مذہب اسلام سے حظ وافر اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس میں تقلید کی فطرت اور متابعت کی جبلت زیادہ ہو۔ یہاں کام کا دار و مدار تقلید پر ہے۔ اسی مقام پر کام متابعت سے وابستہ ہے انبیاء علیہم السلام کی تقلید اعلےٰ درجات پر پہنچاتی ہے اور نیک لوگوں کی متابعت اعلےٰ عروج پر پہنچاتی ہے امیر المومنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں چونکہ یہ فطرت زیادہ تھی اس لئے بلا توقف تصدیق نبوت کی سعادت حاصل کی اور صدیقوں کے سردار بن گئے۔ ابوجہل لعین میں چونکہ تقلید اور متابعت کا مادہ کم تھا۔ اس واسطے اس سعادت سے مشرف نہ ہوا۔ اور ملعونوں کا پیشوا بن گیا۔ مرید کو جو کمال حاصل ہوتا ہے۔ اپنے پیر کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے۔ پیر کی خطا مرید کے صواب سے بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے سہو کی طلب کرتے تھے "یَا لَیْتَنِیْ سَھْوُ مُحَمَّدٍ" کاش مجھے محمدؐ کا سہو نصیب ہو" جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کے حق میں فرمایا ہے سِیْنُ بِلَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ شِیْنٌ" بلال حبشی تھے اسلئے اذان میں بجائے اشھد کے اسھد کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں انکا اسھد اشھد ہے۔ پس بلالؓ کی خطا دوسروں کی درستی سے بہتر ہے مصرعہ بر اشھد تو خندہ زند اسھد بلال"۔ میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے جو فرماتے تھے کہ بعض دعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں۔ اور جن میں مشائخ سے اتفاقاً غلطی ہوگئی ہے۔ اور تلفظ بگڑ گیا ہے اگر انکے تابعین اور پیرو اپنے مشائخ کی طرح پڑھیں تو تاثیر ہوتی ہے۔ اگر درست کر کے پڑھیں تو تاثیر نہیں ہوتی۔ یا اللہ! ہمیں انبیاء کی تقلید اور اولیاء کی متابعت پر بحرمت حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم ثابت قدم رکھنا +

منہا۔ ایک روز جنوں کا حال مجھ پر منکشف فرمایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جن گلی کوچوں میں عام آدمیوں کی طرح چلتے پھرتے ہیں اور ہر ایک جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے کہ وہ جن اس موکل کے ڈر کے مارے سر نہیں اٹھا سکتا اور دائیں بائیں نہیں دیکھ سکتا۔ قیدیوں اور گرفتار دل کی طرح ہو رہے ہیں ان میں مخالفت کی مجال بالکل

نہیں۔ہاں جب اللہ تعالےٰ چاہے تو اُسے کچھ ظہور میں آتا ہے۔اسوقت مجھے ایسا معلوم ہوا۔کہ گویا موکل کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہے۔کہ اگر جن ذرا بھی مخالفت کرے تو ایک ہی چوٹ سے اسکا کام تمام کردے ؎

خدائے کہ بالا و پست آفرید زبردست ہر دست آفرید

منھا۔عوام الناس تو درکنار۔تمام مرسلوں کے جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سردار ہیں اگرچہ حضرت عیسےٰ اور حضرت موسےٰ علیہما السلام کو حسب درجہ مقام تجلی ذات سے کچھ حاصل ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا ہے" اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي أَيْ لِذَاتِي" اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام روح ہیں اور آپ کا کلمہ بھی آں حضرت کے کلمہ سے بہت کچھ مناسبت رکھتا ہے۔لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام حالانکہ مقام تجلےٰ صفات میں ہیں۔پھر بھی تیز چشم اور دوربین ہیں جو خاص شان ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو تجلےٰ ذات کے مقام میں نصیب ہوئی۔وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تجلےٰ صفات کے مقام میں حاصل ہو گئی لیکن استعداد دونو کی مختلف ہے۔ پس اس لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں سے افضل ہیں۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسےٰ علیہ السلام سے افضل ہیں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا رتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ہے آپ انکی نسبت تیز نظر اور دوربین ہیں۔ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔آپ کا مقام مقام صفات میں اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام سے اوپر ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ کو اس مقام میں خاص شان حاصل ہے اور آپ کو نظر کی وہ تیزی حاصل ہے جو دوسرونکو میسر نہیں لیکن آپ کی اولاد کرام کو بھی بطور تبعیت و فرعیت اس مقام سے حصہ حاصل ہے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ان باتونکے الہام سے سرفراز فرمایا علم اللہ تعالےٰ ہی کو حاصل ہے ÷

منہا۔جس سالک کی سیر اسماء و صفات کی تفصیل میں ہو۔اسکا ذات حق تک پہنچنا بند ہو جاتا ہے۔کیونکہ اسماء و صفات کی کوئی انتہا نہیں۔نہ یہ ختم ہوتے ہیں۔نہ وہ منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔مشائخ نے اس مقام کی خبر دی ہے کہ مراتب وصول کی کوئی انتہا نہیں اسواسطے کہ محبوب کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں۔یہاں وصول

سے مراد اسمائی و صفاتی وصول ہے۔ سعادت مندہ شخص ہے جس کی سیر اسماء و صفات میں بطریق اجمال واقع ہوئی ہے۔ اور جلدی خدا رسیدہ ہو گیا ہے۔ واصلانِ ذات جب نہایت النہایت پر پہنچتے ہیں تو دعوت کے لئے انکا واپس آنا لازم ہے اور وہاں سے واپس نہ آنا محال ہے بر خلاف اسکے متوسط جب اپنی استعداد کے موافق آخری مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو اُنکے لئے واپس آنا لازم نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ واپس آئیں یا وہیں ٹھیرے رہیں پس منتہی کے وصول کے مراتب ختم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ لازم ہے۔ کہ پورے ہو جائیں لیکن متوسطوں کے وصول کے مراتب کی جو اسمائی وصفاتی تفصیل میں سیر کرتے ہیں۔ کوئی انتہا نہیں۔ یہ علم بھی میرا مخصوص علم ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَہٗ۔

منہا۔ مقام رضا تمام مقامات ولایت سے بڑھ کر ہے۔ یہ مقام تمام سلوک و جذبہ طے کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے اگر یہ پوچھیں کہ اللہ تعالےٰ کی ذات اسکی صفات اور اُسکے افعال سے رضا واجب ہے۔ اور نفسِ رضا میں ماخوذ جس سے عام مومنوں کو چارہ نہیں۔ تو پھر سلوک و جذبہ کے اتمام پر اسکے حصول کے کیا معنی؟ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ جس طرح ہر رکن ایمان کی صورت و حقیقت ہے اسی طرح رضا کی بھی صورت شروع میں صورت کا وجود ہوتا ہے اور آخر میں حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ جب منافی رضا ظاہر نہ ہو۔ تو ظاہر شریعت حصول رضا کا حکم فرماتی ہے لیکن تصدیق قلبی کے طور پر کہ جب کوئی بات منافی تصدیق نہ پائی جائے۔ تو تصدیق حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ہم رضا کی صورت و حقیقت کے درپے ہیں وَاللّٰهُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ

منہا۔ ولی کو جو کمال حاصل ہوتا ہے۔ یا جس درجے پر پہنچتا ہے اپنے نبی کے طفیل پہنچتا ہے۔ اگر متابعت نبوی نہ ہوتی۔ تو نفسِ ایمان ظاہر نہ ہوتا اور اعلےٰ درجات کی راہ نہ کھلتی پس اگر ولی کو کوئی جزوی فضل حاصل ہو۔ جو نبی کو حاصل نہیں تھا۔ اور کوئی ایسا خاص درجہ مل جائے جو نبی کو میسر نہیں تھا۔ تو نبی کو بھی اس جزوی فضل اور اختصاص درجہ سے حصہ ملتا ہے۔ کیونکہ ولی کو وہ کمال اس نبی کی متابعت سے حاصل ہوا ہے۔ اور یہ اس کی سنت کی پیروی کا ایک نتیجہ ہے پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے پورا حصہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا" جس نے کوئی نیک طریقہ جاری کیا۔ اُسے اس طریقے پر عمل کرنے والے کا بھی اجر ملتا ہے۔ لیکن ولی اس کمال کے حصول میں سابق ہے۔ اور اس درجہ کے وصول میں مقدم۔ اس قسم کی فضیلت ولی

کو نبی پر جائز ہے۔ جو جزئی ہو۔ جو کلیتہً معارض نہ ہو۔ صاحب فصوص (شیخ محی الدین بن العربی قدس سرہٗ) نے جو فرمایا ہے۔ کہ خاتم انبیا علوم و معارف کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے۔ اس سے مراد یہی معرفت ہے جس سے مجھے ممتاز فرمایا گیا ہے۔ اور جو سراسر شریعت کے موافق ہے فصوص کے شارحین نے اس کی تصحیح میں تکلف سے کام لیا ہے۔ اور کہا ہے کہ خاتم ولایت خاتم نبوت کا خزانچی ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ اپنے خزانچی سے کچھ لے تو نقص لازم نہیں آتا۔ اصل حقیقت وہی ہے۔ جو میں نے تحقیق کی ہے انہوں نے یہ تکلف اسواسطے کیا ہے کہ معاملہ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے اللہ تعالےٰ امور کی اصل حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہِ الْاَطْھَرِ۔

منہا۔ ولی کی ولایت اُسکے نبی کی ولایت کا جزو ہوتی ہے۔ ولی کو خواہ کتنے ہی اعلےٰ درجات حاصل ہو جائیں۔ پھر بھی وہ درجات اس نبی کے درجات کا جزو ہوتے ہیں۔ جزو خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے پھر بھی کل سے کم ہی رہے گا۔ کیونکہ "کل ہمیشہ اپنے جزو سے بڑا ہوتا ہے" ایک بدیہی قضیہ ہے۔ وہ شخص احمق ہے۔ جو یہ خیال کرتا ہے۔ کہ جزو کل سے بڑا ہوتا ہے۔ اور یہ کہ کل ایک جزو ہے ہو

منہا۔ اللہ تعالےٰ کی صفات واجبی تین قسم کی ہیں پہلی قسم کی صفات اضافی ہیں مثلاً خالقیت اور رزاقیت۔ دوسری حقیقی لیکن اضافت کی جھلک لئے ہوئے۔ مثلاً علم قدرت ارادہ سمع۔ بصر اور کلام۔ تیسرے محض حقیقی مثلاً زندگی اس میں اضافی ہرگز ملاوٹ نہیں اضافت سے ہماری مراد جہان کا لگاؤ ہے۔ تیسری قسم تمام اقسام سے افضل ہے اور اس میں تمام اقسام جمع ہیں۔ یہ امہات صفات سے ہے۔ علم کی صفت باوجود جامعیت کے صفت حیات کی تابع ہے۔ صفات و شیونات کا دائرہ حیات پر جا ختم ہوتا ہے۔ وصول مطلوب کا دروازہ یہی ہے۔ چونکہ صفت حیات صفت علم سے بڑھ کر ہے اسواسطے ضروری ہے۔ کہ مراتب علم طے کرنے کے بعد اس تک پہنچیں۔ علم۔ یا ظاہری ہوتا ہے۔ یا باطنی۔ یا شریعت کا ہوتا ہے یا طریقت کا۔ بہت ہی کم اشخاص اس دروازے میں داخل ہوئے ہیں صرف کوچوں کے پیچھے سے اندر دیکھتا ہے ایسے دیکھنے والے بھی نہایت ہی کم ہیں اگر اس بھید کی رمز ظاہر کردوں تو گلا کٹ جائے ؎

وَمِنْ بَعْدِ ھٰذَا اَیْدِیْ فِیْ صِفَاتِہٖ وَمَا کَتْمُہٗ اَحْظٰی لَدَیْہِ وَاَجْمَلُ۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

منہا۔ حضرت حق سبحانہٗ تعالےٰ مثل سے منزہ ہے۔ کوئی چیز اس کی مانند نہیں لیکن مثال کو جائز قرار دیا ہے۔ اور مثل تجویز کی ہے اللہ تعالےٰ کے لئے مثل اعلےٰ ہے ارباب سلوک اور اصحاب کشوف کو مثال سے تسلی دیتے ہیں۔ اور خیال سے آرام بخشتے ہیں بے چون کو چون کی مثال سے دکھلاتے ہیں۔ اور وجوب کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں بے چارہ سالک مثال کو عین صاحب مثال خیال کرتا ہے اور صورت کو عین ذی صورت یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ کے احاطہ کی صورت کو چیزوں میں دیکھتا ہے۔ اور اس احاطہ کی مثال کو جہان میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے۔ کہ احاطہ حق کی حقیقت دکھائی دے رہی ہے لیکن در اصل ایسا نہیں۔ بلکہ حق تعالےٰ کا احاطہ بیچون و بیچگون ہے۔ اور نہ وہ شہود میں آسکتا ہے اور نہ کسی پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اسبات پر ہمارا ایمان ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ہر شے پر محیط ہے لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ اسکا احاطہ کیا ہے اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ اس احاطہ کی شبہ اور مثال ہے نہ کہ حقیقت۔ بلکہ اس کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ قریب ہے۔ اور ہمارے ساتھ ہے لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ اسکا قرب و معیت کس طرح کے ہیں ممکن ہے کہ جو حدیث نبوی میں آیا ہے "یَتَجَلّٰی رَبُّنَا ضَاحِکًا" ہمارا پروردگار ہنستا ہوا ظاہر ہوا۔ یہ آں حضرتؐ نے بلحاظ صورت مثالی فرمایا ہو۔ کیونکہ شاید کمال رضا کے حصول کو مثال میں بصورت خندہ دکھایا ہو۔ اور ہاتھ چہرے۔ قدم۔ اور انگلیوں کا اطلاق بھی صورت مثالی کے لحاظ سے ہو۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے اسی طرح سکھایا۔ اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ

منہا۔ اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی عبارات میں جو آنحضرت نے احوال و مواجید اور علوم و معارف کے بیان میں لکھی ہیں۔ کسی قسم کا تناقض یا تدافع معلوم ہو۔ تو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے۔ کہ واقعی ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ بلکہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ مختلف اوقات میں مختلف وضع پر یہ عبارات لکھی گئی ہیں کیونکہ ہر وقت احوال و مواجید مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اور ہر ایک وضع میں علوم و معارف جدا ہیں۔ پس درحقیقت یہ تناقض اور تدافع نہیں اس مثال کی احکام شرعیہ کی طرح ہے

کہ نسخ و تبدیل کے بعد متناقض احکام جاری ہوتے ہیں جب اوقات و اوضاع کے اختلاف کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو وہ تناقض و تدافع اُٹھ جاتا ہے اللہ تعالےٰ ہی کے لئے حکمت ہے۔ اس میں عین حکمت و مصلحت ہے کسی قسم کا شک نہ کرنا۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ۔

تمام شد

(باہتمام پنڈت رگھناتھ داس مالک مشہور عالم پریس بیرون دروازہ شیرانوالہ لاہور)

عربی سے اُردو ترجمہ کتاب الشفاء بحقوق المصطفیٰ

یہ ایک بہت بڑی مشہور کتاب عربی زبان میں حضرت عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے محاسن و مناقب میں تصنیف فرمائی ہوئی ہے اس کتاب کی خوبی اور مقبولیت عام احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی کیونکہ ذات باری جس محبوب کی صفت و ثنا قرآن کریم میں اپنی زبان مبارک سے فرمائے اور جملہ فرشتگان کو اس پیارے نام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے حکم دے تو دوسرا کون بشر یا جن و ملک ہے کہ وہ اس ثنا کو پورے طور پر ادا کر سکے حضرت قاضی عیاض الرحمۃ علیہ نے اس مبارک کتاب کو جس خوبی اور حسن اعتقاد و دلبستگی سے لکھکر اپنے ایمان اور محبت مصطفوی صلے اللہ علیہ وسلم کا ثبوت دیا ہے یہ انہی مبارک ہستی کا کام تھا چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کتاب شفا سے کوئی کتاب جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہ تو اب تک کسی نے لکھی ہے اور نہ اب آئندہ کوئی لکھے گا یہانتک حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ جس گھر میں یہ مبارک کتاب شفاء موجود ہوگی وہاں تصدق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی بیماری نہوگی اس کتاب میں مصنف علیہ رحمۃ نے وہ وہ باریک مسائل تحریر فرمائے ہیں جو آجتک بعض علماء کرام کی زبان مبارک سے کم سننے میں آئے ہیں اس مبارک کتاب کے مطالعہ سے ہر ایک سچے مسلمان کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور وہ برکات الٰہی سے بہرہ یاب ہوکر جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے فیضیاب ہوتا ہے غرض یہ کہ اس کتاب فیض انتساب کے کیا کیا اوصاف بیان کئے جائیں لہٰذا بپاس خاطر عام مسلمانوں کے حال ہی میں عربی سے اس کا بامحاورہ اردو ترجمہ کراکر شائع کیا گیا ہے یہ کتاب ۷۰۵ صفحہ پر نہایت عمدہ کاغذ اور اعلےٰ چھپائی بے نظیر لکھائی سے طبع کرائی گئی ہے اس کی قیمت صرف تین روپے آٹھ آنے رکھی گئی ہے ... ... (۳ ؎)

اُردو ترجمہ کتاب بہجۃ الاسرار و معدن الانوار کا عربی سے اُردو ترجمہ

اس کتاب میں حالات و کرامات حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی سید محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کے تمام بہ تفصیل وار درج ہیں مصنف علیہ الرحمۃ نے حضرت غوث صمدانی کے حالات بہت بڑی تحقیق اور صحت کے ساتھ روایتاً تحریر فرمائے ہیں اور یہ وہی مبارک کتاب ہے جو سب سے پہلے حضرت میراں محی الدین شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کے حالات میں لکھی گئی اور یہ دعوے سے لکھا جاتا ہے کہ آجتک جسقدر رسائل یا کتابیں حضرت کے حالات میں لکھی ہیں ان سب کا منبع یہی مبارک کتاب ہے جسطرح احادیث نبویہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کتابیں روایتاً لکھی گئی ہیں اسی طرح حضرت غوث صمدانی کے حالات اس میں مصنف علیہ رحمۃ نے یہ کتاب روایتاً لکھی ہے چونکہ یہ مبارک کتاب عربی زبان میں تھی اسلئے بپاس خاطر عاشقان دربار قادریہ بصرف زرکثیر بامحاورہ اردو میں ترجمہ کراکر نہایت اعلےٰ درجہ کے کاغذ عمدہ خوشخطی کے ساتھ طبع کرائی گئی ہے تاکہ دلدادگان کوچہ قادریہ اسکو پڑھ کر حظ باطنی سے بہرہ اندوز ہوکر اپنے دلی مقصد کو حاصل کریں اور کتاب ترجمہ کرانے اور چھپوانے والے کے لئے دعا خیر فرمادیں بہت بڑے حجم کی کتاب ہے قیمت صرف تین روپیہ ... ... (۳ ؎)

اُردو ترجمہ کتاب قسطاس المستقیم

تصنیف ابو حامد حجت الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس رسالہ میں حضرت امام رحمۃ اللہ اور ایک باطنی شیعہ کے ہواجس میں اس کی کجی کو درست کیا اور اس کی عقل و استعداد کے مطابق گفتگو کر کے اُسے جتلا دیا کہ تمہارے برادود نتائج غلط ہیں دلیل اور نقل سے مناظرہ کر کے عجائبات ایسے دکھلا کر گمراہی سے نکال سیدھی راہ پر لے آئے اور اُسے مختلف ترازو کے سمجھا دی تاکہ قسطاس المستقیم سے وزن کر سکے نہایت عمدہ چھپ کر تیار ہے قیمت ۶ ؎ ... ... (چھ آنے)

کتاب نصاب النیا المعروف رنگ بھری

یہ ایک پرمعنی نظم ہے اس کتاب میں مصنف علیہ رحمۃ نے تمام نکتہ جات تصوف اور منازل فقر اعشق حقیقی محبت الٰہی دنیا سے بیزاری اور اُسکے کرونات کو نہایت وضاحت کیساتھ بڑی میٹھی زبان میں نظم فرمایا ہے طلب الٰہی اور اُسکے وسائل بہ تفصیل تحریر فرمائے ہیں دُنیا اور دنیادار دیکھے مگر اس راستہ کے تمام منازل نہیں خوبی سے لکھے ہیں کہ جو اس کتاب کو دیکھ پاتا ہے عش عش کرتا ہے کتاب کی لکھائی چھپائی اور کاغذ نے اُسکے حسن کو دوبالا کر دیا ہے اردو عام فہم زبان تصنیف از بابا عبد الحق صاحب قیمت ۸ ؎ (آٹھ آنے)

درخواست بنام ملک فضل الدین ملک چنن الدین ملک تاج الدین تاجران کتب منزل نقشبندیہ بازار کشمیری لاہور کوچہ گگے زئیاں

کاتب محمد خان دلفگار رسول نگری

حیاتِ جاودانی

یعنی مناقب و حالات و کرامات حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ بزبانِ اردو

یہ کتاب نایاب جو حضرت غوث صمدانی قطب ربانی محی الدین سید شیخ عبد القادر گیلانی کے حالات و کرامات و مناقب میں جامع ہے عربی کتاب

قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبد القادر

مطبوعہ مصر کا نہایت سلیس بامحاورہ اردو ترجمہ ہے

اس کتاب میں حضرت موصوف کے بچپن سے لیکر اخیر تک کے کل حالات مع کرامات عالیہ نہایت تفصیل کے ساتھ درج ہیں آپکے علم و فضل کے حالات۔ آپکے مدرسہ کی کیفیت آپکے یارانِ صحبت کے سوانح اور ان بزرگوں کے حالات جو آپکے جو آپ کے زمانہ میں اولیائے کرام میں سے تھے۔ نیز آپکے شاگردوں کے حالات اور ان بزرگوں کا ذکر جن کو جناب عالیمقام سے فیض باطنی نصیب ہوا ہے۔ آپکے فرزندانِ عالیمقام کے حالات اور شجرۂ انساب اس کے علاوہ دیا گیا ہے بہت بڑی کتاب ہے۔ عاشقان جناب غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اسے پڑھ کر حظ اٹھائیں قیمت عمر

مثنوی تحفۃ العاشقین معہ تحفۃ العارفین

یہ دونو کتابیں سالک حق پرست مست بادۂ الست مقبول بارگاہ احد حضرت شاہ عبد الصمد قدس سرہٗ نقشبندی مجددی کی تصنیف لطیف ہیں سے ہے۔ اردو زبان میں سراپا برکت اور رحمت ہیں چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت مصنف کو ان کتب کی تصنیف کے لئے خواب میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا تھا اور یہی وجہ ان کے مقبول عام اور فائدہ مند ہونے کی ہے یہ دونو کتابیں اعلے درجہ کے کاغذ پر چھاپی گئی ہیں قیمت ۱۲ر عمہ

اردو ترجمہ کتاب قسطاس المستقیم

تصنیف ابو حامد حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس رسالہ میں حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ اور ایک باطنی شیعہ کے ہوا جس میں اس کجی کو درست کیا اور اس کی عقل و استعداد کے مطابق گفتگو کر کے اُسے جتلا دیا کہ تمہارے برآوردہ نتائج غلط ہیں دلیل اور نقل سے مناظرہ کر کے عجائبات دکھلا کر گمراہی سے نکال سیدھی راہ پر لے آئے اور اُسے مختلف کنہ ترازو سمجھادی تاکہ قسطاس المستقیم سے وزن کرینگے ۶ر